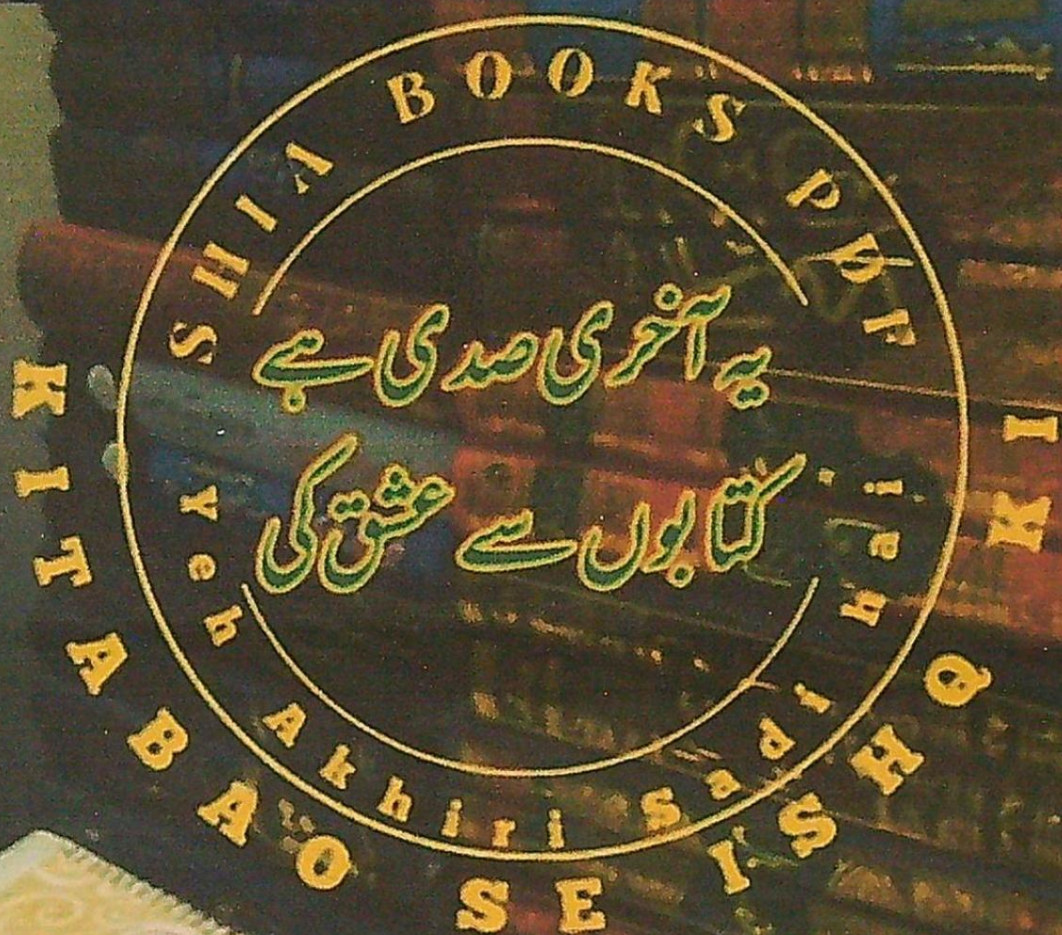


بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

Shia Books PDF منظر ایلیا



MANZAR AELIYA
9391287881
HYDERABAD INDIA

عالمی شہرت یافتہ کتاب

احقاق الحق

مصنف

شہید ثالث

حضرت آیت اللہ قاضی نور اللہ شوسری
رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

شاید برادری

لاہور پاکستان

عالمی شہرت یافتہ کتاب

احقاق الحق

مصنف

شہید ثالث

حضرت آیت اللہ قاضی نور اللہ شوستریؒ

ناشر

شاہد برادرز لاہور پاکستان

بسماء و سباحہ کتب
حَقَائِقُ الْحَقِّ ترجمہ حَقَائِقُ الْحَقِّ
جناب شہید ثالث قاضی سید نور اللہ شوشتری علیہ الرحمۃ
شہید ثالث

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي جعلنا من آل أبي القاسم محمد وآله المارقيين في الدنيا والآخرة
اما بعد پس جملہ مومنین بالیقین کثریم اللہ تعالیٰ رب العالمین کی خدمت بابرکت میں التماس کرتا ہے عبد
حقیر ضعیف ابو القاسم سید حسن عباس الموسوی النشاپوری کہ جناب قاضی سید نور اللہ شوشتری
المرعشی الحسینی الملقب بہ شہید ثالث اپنے وطن مقام شوشتر ملک ایران میں پیدا ہوئے سنہ
ولادت ۱۲۵۶ھ نو سو چھپن ہجری ہے آپ بعد حصول علم و کمال ملک ایران سے ۱۲۹۵ھ نو سو
پچانوے میں ہندوستان تشریف لائے آپ اس پایہ کے محقق اکمل و عالم اجل ہیں کہ جو کمالات
علیہ و مجاہدات دینیہ آپ کے منصب شہود و ظہور میں آئے ہیں وہ انظر من الشمس ہیں محتاج بیان نہیں
میں اس مقام پر تمینا آپکا شجرہ نسب مبارک نقل کرتا ہوں قاضی سید نور اللہ بن شریف بن ضیاء الدین
نور اللہ بن محمد شاہ بن ہمار زالدین بن حسین بن نجم الدین محمود بن احمد بن الحسین بن حسین بن
محمد بن ابی المفاز بن علی بن احمد ابی طالب بن ابراہیم بن یحییٰ بن حسین بن محمد بن ابی علی بن خمرہ
بن علی المرعش بن عبد اللہ بن محمد الملقب بالسلیق بن الحسن بن الحسین بن امام علی زین العابدین
بن الامام حسین الشہید المظلوم جناب شہید علیہ الرحمۃ کا یہ سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے

جناب سید الشہداء خامس آل عبا علیہ اللہ التمام بہ پہنچتا ہے آپکی عظمت و جلالت کو عام
 اخوان مومنین کی آگاہی کے لئے حضرت جد عالم سید المکملین آیۃ اللہ فی العالمین و نقیۃ علی الجائن
 جناب مولانا الیہ حامد حسین الموسوی النیسابوری فردوس مآب طاب ثراہ صاحب عجقات الانوار کی
 ایک تحریر پر تنویر سے اخذ کرنے یہاں پیش کرتا ہوں وہی ہذہ ۔

”یہ جناب علامہ شہید۔ اور ولی رشید۔ برگزیدہ و سعید۔ بڑے عالم اور فائدہ بخشے والے
 نہایت عالی فہم اور عمدہ کلام کرنے والے سردار بزرگ اور عالم متبحر اسرار کا سرشتیہ تھے انوار کے
 معدن تھے۔ ان کے مقامات بلند اور ان کے کرامات روشن تھے انھوں نے اصول و
 فروع دین کے مضبوط کرنے میں بڑی سعی کی علم کی قندیلیں اور شمعیں روشن کیں شریعت کے مکان
 محفوظ سے دشمنوں کو دور رکھا منازل بلند آخرت کے حاصل کرنے میں بڑی کوشش کی شبہات
 شیطانی کو باطل کیا احقاق الحق سے ہدایت کی راہیں واضح کیں فواصی کے ظلم ظاہر
 کر دیئے ان کو عذاب پایندہ سے معذب کر دیا اون کے پوست شمشیر ہاں سے کھینچ لئے ان کو غم
 شدید میں مبتلا کیا ان کے فضائل کا آوازہ تمام اطراف میں پھیل گیا ہر میدان ان کے باران
 افادات سے سرسبز ہو گیا یہ بڑے سندی سداور متکلم مستند تھے آپ بعہد جہانگیر بادشاہ علمائے
 مخالفین کے فتویٰ پر ۸ جمادی الآخرہ یوم جمعہ ۱۰۱۹ھ میں درہ خاردار سے شہید کئے گئے
 سبب قتل تصنیف کتاب احقاق الحق ہے جیسا کہ جناب شیخ حر عاملی علیہ الرحمۃ کتاب المل الامل
 میں تحریر فرماتے ہیں و قتل بسبب تالیف احقاق الحق مادہ تاریخ وفات سے
 عدن جہاں میر نور اللہ شہ

۱۰۱۹ھ

یہ سال دسویں مقام شہرہ داران سال دسویں مقام اگر ملانے سے

جناب شہید کا مزار قاضی الانوار شہر اگرہ (اگرہ البلاد) میں واقع ہے سب سے پہلے جناب
 سید محمد موسوی نیشاپوری نے شہید علیہ الرحمۃ کی شہادت کی ۱۶۹ سال بعد ۱۲۸۷ھ میں

اس روضہ اقدس کی تعمیر کرائی یہ بزرگوار سادات موسوی نیشاپوری سے ہیں جو مقام نیشاپور
 ملک خراسان سے ہندوستان میں آئے تھے اولاً نواب شجاع الدولہ بہادر کی خدمت میں
 باریاب ہوئے بعد اسکے نواب مرزا نجف خاں کی رفاقت میں رہے اور نواب مذکور کی
 نظر توجہ سے اکبر آباد جو آگرہ کے نام سے مشہور ہے اسکی صوبہ داری پر فائز ہوئے اپنے
 اپنے زمانہ روضہ داری میں اس عالم ربانی کے مشہد کی تعمیر فرمائی چنانچہ تاریخ مختصر سیر مہدستان
 میں مرقوم ہے۔ مقبرہ سید نور اللہ ششتری بعمارت نفیس و متین و باغ بسیار عمدہ و سرسبز
 و رنگین تعمیر و قریض نمود۔ پھر امتداد زمانہ سے تعمیر میر منصور موسوی منہدم ہو گئی اور مزار
 اقدس ایک غیر آباد جنگل میں مدتوں ویران پڑا ہا جیسا کہ حضرت فردوس مآب طاب خراہ
 و جعل البختہ مشواہ جب سنہ ۱۲۷۵ھ میں آگرہ تشریف لائے اور مزار مقدس کی زیارت فرمائی تو
 اُس کی حالت جناب مرحوم نے اپنے خلص مولوی علی حسن صاحب مرحوم کو تحریر فرمائی جو اُس کے
 چند جملے نقل کئے جاتے ہیں آگرہ میں صریح مطہر و منور قاصی نور اللہ نور اللہ مرقدہ و عظم
 مشہدہ کی زیارت سے فائز ہوا میری آنکھیں اُن کے مزار کے دیکھنے سے روشن ہو گئیں
 اور مجھ پر انوار حق اوسکی چمک سے نمایاں ہو گئے یہ قبر پاک ایسے حال میں گئی کہ اوس پر تعمیر کی
 زینت و آرائش کا سامان مطلقاً نہیں ہے وہ ایسے مقام غیر آباد بلکہ جنگل میں ہے کہ سولے
 کوشش بلین سے تلاش کرنے والے کے اور کوئی اُس تک نہیں پہنچ سکتا عجب نہیں کہ
 اُس کا نشان بھی مٹ جائے اور کچھ خبر اسکی معلوم نہو اس لہٰذا کہ حق اس شہر میں نہایت پوشیدہ
 ہے اور اس شہر کے ظالم لوگوں پر جہل غالب ہے لیکن خدا تو اپنے نور کو پورا ہی بھیکے
 رہیگا اور حق کا ظہور ضرور زیادہ ہوگا اس شہر کے اہل عناد سے اگر کوئی غریب اس
 قبر شریف کا پتہ پوچھتا ہے تو اُس کو نہیں بتاتے یا تو جہل کی وجہ سے یا دشمنی کے سبب
 باوصف غلم کے انتہی بقدر الحاجۃ مزار مقدس کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ سنہ ۱۲۹۰ھ
 میں سید علی نقی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر مجفری پیرسری نے بشرکت مومنین اسکو تعمیر کرایا

اور ۱۲۹ھ سے ۱۳۰ھ تک آگرہ و بیرونجات کے بعض مومنین نے مزار کی تعمیر و اصلاح میں کچھ توجہ فرمائی لیکن عام طور سے مومنین ہندوستان اس مزار مقدس کی برکات سے بالکل ناواقف تھے حسن اتفاق سے جناب آیۃ اللہ ناصر الملۃ مدظلہ العالی نے ۱۳۰۲ھ میں آگرہ تشریف لاکر مزار کی زیارت فرمائی اور اسکی حالت ملاحظہ فرما کر کمال تاسف فرمایا اس وقت جناب سیدنا ظم حسین مرحوم متولی تھے متولی صاحب کی توجہ پا کر حضور ممدوح نے وسائل ترقی مزار مبارک تجویز فرمائیے اور یہ امر طے پایا کہ مزار مقدس پر جناب شہید ثالث کی کوئی مستقل یادگار قائم کی جائے جس کے ذریعہ سے اس مشہد کریم کی کما بینغی شہرت ہو اور عام مومنین کی توجہ اسکی جانب مبذول ہو سکے لہذا جناب ممدوح کے ارشاد کے بموجب سالانہ مجالس یادگار کی بناء قائم کی گئی لیکن متولی صاحب کی خواہش پر کوئی بزرگوار اہل آگرہ و بیرونجات سے اس اہم خدمت کے بحالانے پر آمادہ نہ ہوئے آخر کار متولی صاحب کی متواتر زبانی و تحریری اصرار کے بعد باجارت جناب ناصر الملۃ مدظلہ العالی انتظام مزار مقدس کے لئے اس حقیر کا انتخاب کیا گیا اور بمصدق قرعہ کفال بنام من دیوانہ دند جملہ خدمات مزار با انتخاب عام جلسہ سالانہ راقم سطور کے سپرد کی گئیں جس کو سیدنا ظم حسین مرحوم متولی مزار اپنی تحریر مرقومہ ۲۶ رجب ۱۳۲۲ھ میں ارقام فرماتے ہیں جب سے مزار اقدس میں کسرا ہتمام میں آیا اور بعض حضرات کی خواہش ہوئی کہ اس کا انتظام بہتر طریقے سے ہونا چاہیے اور میں خود اس کا ذمہ دار ہوں۔ تب میں نے خیال کیا کہ اس کام کو میں کسی عالم کے سپرد کروں تاکہ کسی صاحب کو کوئی موقع شکایت کا نہ ہو پانچ چھ سال سے میں نے اکثر حضرات سے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن بوجہ چند آمادہ نہ ہوئے چنانچہ میں نے عالی جناب مولانا سید حسن عباس صاحب قبلہ سے درخواست کی کہ وہ جلسہ کا انتظام فرماویں اور بطور سکرٹری کے جملہ امور کو اپنے ہاتھ میں لیں میری درخواست منظور ہوئی اور پہلا جلسہ با شان و شوکت صرف ممدوح کی کوشش و محنت کی وجہ سے مع انخیر انجام کو پہنچا بعدہ میں نے باصرار تمام سکرٹری صاحب کی

خدمت میں عرض کیا کہ وہ یہاں قیام فرما کر جملہ انتظامات و تعمیرات وغیرہ کو انجام دینا چاہیے۔
 مومنین کی خوش نصیبی سے یہ معروضہ بھی قبول ہو گیا اور ایک انجمن بنام انجمن معین الزائرین اگر ہ
 قائم ہو گئی اور جملہ آمدنی و اخراجات جناب سکریٹری صاحب کی زیر نگرانی ہونے لگے تعمیر مسافر
 خانہ و اہتمام مجالس وغیرہ سب سکریٹری صاحب کے انتظام میں ہے ایک سال تک نہایت
 عمدگی کے ساتھ یہ کارروائی چلتی رہی دو سہ جلسہ میں بکثرت زائرین قریب و بعید سے تشریف
 لائے جناب سکریٹری صاحب نے اس قدر محنت و جفاقتانی سے کام کیا کہ کوئی معاوضہ دنیا
 میں اُس کا نہیں ہو سکتا ایک سال کے اندر جو ترقی ہر قسم کی ہوئی ہے وہ ظاہر و ہویدا ہے
 مسافر خانے تعمیر ہو گئے ہر خیمہ کو مجالس باقاعدہ ہونے لگیں اور عام مومنین کو شوق پیدا ہو گیا
 ہے کہ مزار اقدس کو عالی شان بنایا جائے۔

حضرت ناصر الملہ والدین کے اس احسان سے یہ حقیر کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا کہ بعد
 قبول فرمائے میری رائے کے جو جلسہ سالانہ کی بابت تھی جناب ممدوح نے میری دوسری
 خواہش کو بھی منظور فرمایا اور اپنے پارہ دل اور قوت بازو جناب صفوة الافاضل مولانا الید
 حسن عباس دام افنا لہم کو حکم دیا کہ وہ اس تحریک میں شکت فرما کر میرے ساتھ کام کریں۔
 چنانچہ ممدوح نے شروع سے آخر تک جو کوشش فرمائی وہ پوشیدہ نہیں حتیٰ یہ ہے
 کہ اس ذات بابرکات کے احسانات سے قوم کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتی خداوند عالم اس
 معدن خلق و احسان کو متصدق اللہ طاہرین قائم و سالم رکھے اور بد ارج اعلیٰ پر فائز کرے۔
 یدناظم حسین متونی مزار اقدس منقول از رسالہ الشہید اگر ہ

الغرض ۱۳۵۷ھ سے اب تک کہ ۱۳۵۸ھ ہے ستائیس سال سے یہ حقیر مزار اقدس اور
 مومنین زائرین شہید ثالث علیہ الرحمہ کی خدمت کر رہا ہے اور جو جو صعوبات میں نے بردا
 کئے ہیں ان کے لئے خدا سے طالب اجر ہوں کیونکہ وہ کسی عمل خیر کے اجر کو ضائع نہیں
 کرتا وَ اِنَّهُ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادُ بہر حال بمصدق اول بہ آخریتے وارد ابتدا میں بھی اس

شہید راہ خدا کے مزار مقدس کو ایک جلیل القدر ایرانی النسل سید موسوی نیشاپوری
 نے آباد کیا تھا اور اس مشہد مبارک کی تعمیر فرمائی لیکن امتداد زمانہ سے وہ تعمیر منہدم ہو گئی
 اور تقریباً ڈیڑھ صدی کے بعد پھر نہانہ نے کروڑ ٹی اور اوسی نسل کے ایک موسوی
 نیشاپوری فرد فرید کے ہاتھوں یہ مشہد محرم منتہائے ترقی و عروج پر پہنچ گیا ہے یعنی
 اُس خاندان کے راس و رئیس فخر و دمان موسوی مرجع و ملاذ دین نبوی حجۃ الاسلام
 آیۃ اللہ فی الانام جناب ناصر الملۃ والدین ایدہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی و نظر توجہ و التفات
 سے اس مشہد عظیم کی تعمیر و آبادی منصہ ظہور میں آئی ہے جس سے شعی دنیا کا ہر فرد
 واقف ہے اس خاندان موسوی کے مورث اعلیٰ جناب ابو طالب پسر
 شرف الدین واقعہ ہلاکو خاں کے بعد نیشاپور ملک ایران سے ۷۱۰ھ چھ سو اٹھارہ ہجری
 میں ملک ہندوستان میں تشریف لائے اور مقام کنٹور کو اپنا مسکن و وطن بنایا جو کالنور
 علی شاہ حق الطور مشہور نزدیک و دور ہے و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء
 بالجملہ مجالس یادگار کی بنا قائم ہو گئی اور اسکی اصلی و اعلیٰ غرض یہ تھی کہ مومنین کی امانت و
 توجہ سے مصنفات جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ کی اشاعت کی جائے چنانچہ جناب ناصر
 الملۃ مدظلہ العالی کے ایما و متولی صاحب مزار مقدس و دیگر حضرات کی فرمائش سے اشاعت
 مصنفات کی خدمت بھی اس تحف کے سپرد کی گئی اور ۱۳۱۲ھ
 میں حقیر نے رسالہ آیہ تطہیر مصنفہ جناب شہید ثالث کا ترجمہ
 کیا۔ ترجمہ رسالہ مذکورہ کے متعلق متولی صاحب عبارت ذیل تحریر کرتے ہیں۔ میں نے
 محسن قوم جناب صفوۃ الافضل مولانا السید حسن عباس دام افنا ہم سے عرض کیا کہ آپ
 کسی رسالہ کا ترجمہ فرما کر بسم اللہ کر کے اسکو طبع کرا دیجئے اس طور پر ترجمہ اور طبع کا کام جاری
 رہے گا چنانچہ مدوح نے میری اس رائے کو قبول فرما کر نہایت حسن و خوبی کے ساتھ رسالہ
 آیہ تطہیر کا ترجمہ مع حواشی و تفاسیر تیار کیا جسکو اس حقیر نے طبع کرا دیا ہے۔ انھو کو بین

سیدناظم حسین متولی مزار شہید ثالث

وہ رسالہ طبع ہو کر شائع ہو گیا رسالہ مذکورہ کے چھ سو ^{نٹے} نسخے دفتر الشہید میں اس وقت بھی موجود ہیں اگر ان کو دوسرا قوم خرید کر عام مومنین میں تقسیم فرما دیں تو یہ نشر فضائل البیت علیہم السلام کے سلسلہ میں بہترین خدمت ہوگی طبع رسالہ آیہ تطہیر کے بعد بغرض اشاعت دیگر مصنفات شہید ثالث رسالہ الشہید اگر جاری کیا گیا اور اس رسالہ کے ہمراہ کتاب مستطاب احقاق الحق جو جناب قاضی صاحب کے قتل و شہادت کا سبب ہوئی ہے اس کا ترجمہ خلاصہ باب امامت بطور ضمیمہ شائع ہوتا رہا دلائل امامت جناب امیر المومنین علیہ السلام کی بہتر دلیلیں طبع ہو چکی تھیں اور قریب تھا کہ یہ باب امامت پورا ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ نامساعدت زمانہ سے رسالہ الشہید بند ہو گیا اور ترجمہ کی چھ برس کی محنت شاخہ نامتام رہ گئی گیارہ سال کی مدت دید گذرنے کے بعد بمقام اللہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر بخواست + آخر آمد پس پردہ تقدیر پدید اس عاجز و نحیف نے پھر اس امر اہم کے اتمام کا قصد کر لیا حق سبحانہ و تعالیٰ کا کمال تفضل و احسان ہے کہ ہا وجود تو ائمہ آلہام و اسقام و یوم انکار بطیفیل حضرات ائمہ معصومین اطہار سلام اللہ علیہم بافضل اللیل والنہار ترجمہ کو تمام کیا گئی نہ رہے کہ ترجمہ مذکورہ میں بعض فوائد ایسے درج کئے گئے ہیں جو ناظرین و طلبہ علوم دین مبین کے لئے سجد نافع ہوں گے اور ایک خصوصیت خاصہ اس ترجمہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ جناب آیۃ اللہ ناصر الملۃ والدین صدر المحققین سلطان الفقہار و المتکلمین مولانا الیدنا حسین الموسوی النیشابوری مجتہد العصر ایدہ اللہ تعالیٰ و ادام وجودہم العالی بتعاقب الایام واللیالی نے من اولہ الی آخرہ ملاحظہ فرما کر اپنی شرف اصلاح سے مشرف فرمایا ہے و کفی بذلک شرفاً و فضلاً میری بڑی فروگزاشت ہوگی اگر میں البحر العلماء والجر القہام سلالۃ العلماء الاعلام و نتیجۃ المتکلمین الناصرین الدین سید الانام الاخ المرشید والمجد الصندیہ مولانا السید محمد نصیر الموسوی النیشابوری دامت معالیہم السامیہ کے اس امتنان کو بیان نہ کروں

کہ مدوح نے اس کتاب کے ترجمہ میں اس حقیر کو اکثر اوقات اپنے مشاغل علیہ کا حرج کر کے اٹا
 میں دریغ نہیں فرمایا خداوند عالم عزیز موصوف کو اس کا اجر کامل عطا فرمائے اور ان کی
 عمر و علم و کمال کو یونہی و یوماً زیادہ کرے انہ وئی لا جابتہ اب میں بکمال عجز و خلوص خدا سے
 اعانت طلب کر کے اس ترجمہ احقاق الحق کو بارگاہ عرش پناہ جناب امیر المومنین علی بن
 ابی طالب وصی حضرت ختم المرسلین علیہ وآلہ آلاف السلام من اللہ الملک الحق المبین میں
 پیش کرتا ہوں اور یہ میرے افتخار کے لئے کافی و وافی ہے۔

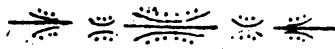
وَالْخَيْرُ عَمَّا نَزَّلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا

أَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ

لکھنؤ۔ ۱۵ ماہ صیام ۱۳۵۵ھ



اعلان



بالفعل کتاب مستطاب احقاق الحق تصنیف فخر العلماء والمجتهدين رضی اللہ عنہم
 السید نور اللہ الشوشتری الحسینی المرعشی رحمہ اللہ کے بعض مباحث کا ترجمہ شائع کرنا مطلوب
 ہے اس ترجمہ میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اصل عبارت عربی کی شائع نہ ہوگی بلکہ
 اس کتاب کے وہ مضامین جن سے عامہ مومنین کو دلچسپی ہوگی بطور خلاصہ عام فہم
 ترجمہ کر کے شائع کئے جائیں گے چونکہ ہم کتاب احقاق الحق کے مبحث امامت کو بطور
 تلخیص ترجمہ کریں گے لہذا اس سلسلہ کو حقائق الاحقاق کے نام سے موسوم کرتے ہیں امید
 ہے کہ ان مضامین سے مومنین بالیقین مستفید ہو کر محظوظ و بہرہ ور ہوں گے اور خدا
 سے دعا فرمائیں گے کہ وہ مجھے اس امر خیر و مبارک میں موفق فرمائے بحق محمد وآل
 المعصومین علیہم السلام الی یوم القیام اس کتاب میں پہلے جناب علامہ حلّی علیہ
 اللہ دار السلام کی کتاب کشف الحق و نیج الصدق کی عجات نقل کی گئی ہے اُس کے بعد
 فضل بن روز بہان کا جواب جس کا نام اُس نے ابطال الباطل رکھا ہے شائع
 کیا گیا ہے پھر اس کے بعد جناب قاضی سید نور اللہ شہید ثالث
 علیہ الرحمہ نے کتاب ابطال الباطل کا مفصل جواب تحریر فرمایا ہے۔



مبحث امامت

نگارہ علامہ علی علیہ الرحمہ

پانچواں مسئلہ امامت کے بیان میں ہے اور باب امامت میں چند مباحث ہیں اول یہ کہ امام کے لئے واجب ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہو فرقہ امامیت اس امر کا قائل ہے کہ مثل انبیاء کے ائمہ علیہم السلام کے لئے واجب ہے کہ وہ معصوم ہوں تا بری باتوں اور جملہ فواحش سے ابتداءئے عمر سے آخر تک عدا ہوں یا سہو اس وجہ سے کہ وہی ائمہ علیہم السلام حافظان شریعت اور اس کے قائم کرنے والے ہیں قیام و حفظ شریعت میں ان کا حال مثل جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور امام علیہ السلام کی حاجت اور ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ ظالم اور مظلوم کے درمیان ہیں انصاف کرے فسادات کو دور کرے اور مادہ فتنہ کو قطع کرے اور وجود امام ایک لطف باری تعالیٰ ہے کہ جو ظالم کو ظلم و تعدی کرنے سے باز رکھتا ہے اور تمامی مردم کو طاعت الہیہ کی طرف رغبت دلاتا ہے اور محرمات پروردگار عالم سے اجتناب کرنے کا حکم کرتا ہے اور حدود و فرائض کو قائم فرماتا ہے اور اہل فسق سے مواخذہ کرتا ہے اور جو لوگ بیدار اپنے افعال کے موجب تعزیر ہوتے ہیں ان کو سزا دیتا ہے پس اگر امام کے لئے معصیت جائز ہوتی اور اس کی ذات سے حدود و معصیت روا ہوتا تو جس قدر فوائد اور بیان بھی سب معدوم ہو جاتے اور ایسی حالت میں ایک دوسرے امام کی حاجت ہوتی اور جب اس بھی معصیت ظاہر ہوتی تو ایک تیسرے ہادی اور امام کی ضرورت لاحق ہوتی اور اسی طرح سلسلہ چلا جاتا اور تسلسل باطل ہے فرقہ اہلسنت نے اس امر میں مخالفت کی ہے اور وہ اس

قائل ہوئے ہیں کہ خواہ اہل فسق ہوں یا خدا کے عھدیان کرنے والے یا چوری کر نیوالے
 ہوں سب کے لئے جائز ہے کہ وہ اہل خلق ہو سکتے ہیں جیسا کہ علامہ زمری نے کہ جو اہل سنت
 کے افضل علماء میں سے ہیں اسکی مثال میں دو ایسی تھی کو جو لقب منصور سے مشہور ہے
 و زبیر بیان کیا ہے پس کون عاقل اس بات پر راضی ہوگا کہ اپنے امور دینی اور تقرب باری
 تعالیٰ کے لئے ایسے شخص کا مطیع و منقاد ہو کہ جو ہمہ وقت فسق و فجور کا مرتکب ہو اور اقام
 فواحش میں ڈوبا ہوا رہے اور وہی عاقل اُن خدا کے خاص بندوں سے اغراض کرے
 کہ جو اُسکے مطیع بنائے اور زہد و عبادت میں نہایت درجہ سعی کرنے والے ہوں حالانکہ
 خداوند عالم نے اس امر کو بڑا ظاہر کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے اَمَّنْ هُوَ قَانَتْ اَنَاءُ
 اللیل ساجداً و قائماً لیحد ذللاً آخرۃ و یرجو رحمة ربّه قل هل
 یتوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکرا و لو کالکباب
 خدا فرماتا ہے کہ آیا وہ شخص جو خضوع کرتا ہے ساعات لیل میں اور سجدہ کرتا ہے اور قیام
 کرتا ہے اور روز آخرت سے خوف رکھتا ہے اور اپنے پروردگار سے رحمت کا امیدوار
 ہے کہہ دے رسول کہ نہیں برابر ہیں جو لوگ علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم سے
 بے بہرہ ہیں اور اس امر کو صاحبان عقل و فہم ہی سمجھتے ہیں نہ غیر۔ اور اشاعرہ کے قواعد
 پر یہ امر درست نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کے مذہب میں خود باری تعالیٰ سے صدور
 قبائح (برے باتوں کا صادر ہونا جائز ہے اور منجملہ انھیں قبائح کے (کذب) یعنی جھوٹ
 بولنا ہے پس اس آیت مبارکہ میں کذب جائز ہوگا حالانکہ باری تعالیٰ کذب کے برے ہے
 تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً لیکن اور باقی فرقے پس اُن کے مذہب میں مفسول کو
 فاضل پر مقدم کرنا جائز ہے لہذا اس امر کو قبیح سمجھنا اُن کے قول کے موافق بھی درست
 نہ ہوگا پس ظاہر ہوا کہ اہل سنت کے دونوں فرقے یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ دونوں مخالف
 ہیں کتاب عزیز کے (یعنی قرآن مجید کے) ختم ہوا قول علامہ حلّی رحمہ اللہ۔

قول ابن روزبهان

مبحث امامت فرقہ اشاعہ کے نزدیک اصول دین و عقائد سے نہیں ہے بلکہ اشاعہ امامت کو فروع دین سے جو کہ افعال مکلفین سے متعلق ہے سمجھتے ہیں اور منصب امامت اشاعہ کے نزدیک خلافت رسول ہے دین کے قائم کرنے اور ملت کی حفاظت کرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ امام کا اتباع تمامی امت پر واجب ہے اور شرائط اس امام کے جو امامت کا مستحق و اہل ہو یہ ہیں کہ وہ اصول و فروع دین میں مجتہد ہو تاکہ امور دین کی اقامت کر سکے تدبیر حرب و تربیت حیوش کے لئے صاحب رائے و بصیرت ہو۔ شجاع و قوی القلب ہو تاکہ اسلام سے دشمن کو دفع کرے عادل ہو ظلم و جور نہ کرتا ہو کیونکہ شخص سق اموال عیش و سرور کو اغراض نفسانیہ میں صرف کرے گا اور عادل ہمارے نزدیک وہ شخص ہے جو گناہان کبیرہ کا مرتکب نہ ہوتا ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو۔ امام کو عاقل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس میں تصرفات عیش و سرور کی صلاحیت پائی جائے اور وہ امام بالغ ہو کیونکہ طفل کی عقل ناقص ہوتی ہے وہی امام مرد ہو کیونکہ عورات ناقص العقل والدین ہوتی ہیں اور وہ مرد آزاد ہو اور قبیلہ قریش میں سے ہو پس جو شخص ان تمام صفات کا جامع ہو گا وہی امامت اور ریاست کبریٰ کے اہل و لائق ہے لیکن امام کے لئے مرتبہ عصمت کا لازمی ہونا پس یہ شرط فرد شیعہ امامیہ اور فرقہ اسمعیلیہ نے ضروری قرار دی ہے اور استدلال کیا ہے اس شخص نے (یہ قول ہے ابن روزبهان) کا جو جناب علامہ حلی رحمہ اللہ کے لئے اپنی کتاب ابطال الباطل میں لکھا ہے (مبحث امامت پر عصمت کے ساتھ کہ امام کی طرف آدمیوں کو امور مذکورہ بالا میں حاجت ہوتی ہے اور اگر امام کے لئے عصمت جائز ہوتی اور اسکی ذات سے صدور عصمت روا ہوتا تو یہ فوائد باقی نہ رہتے اور ہم کہتے ہیں کہ علامہ حلی عصمت سے کیا مراد لیتے ہیں اگر انہوں نے عصمت سے مراد لیا ہے کہ امام تمام احوال میں صغائر و کبائر سے اجتناب کرتا ہو پس

اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کیونکہ امام سے بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہونا کہ جو اُس کے لئے ممتا
 ہیں باوصف اُس کے کہ وہ گناہان کبیرہ سے اجتناب کرتا ہے اس امر کی نفی نہیں کرتا ہے کہ وہ
 امام مظلوم و ظالم کے درمیان میں انصاف نہ کر سکے اور باقی امور مذکور کو بجا نہ لاسکے اور
 اگر ارادہ کیا ہے علامہ حلی نے وجود اصل ملکہ کا جو مانع ہوگا فحور سے پس ہم بھی اسی عصمت کے
 قائل ہیں اور اس کے وجوب کو امام کے لئے شرط جانتے ہیں کیونکہ ہم نے اوپر شرط کی ہے کہ
 امام عادل ہوگا اور شخص عادل وہی ہے جس کے لئے ایسا ملکہ عصمت حاصل ہو جو ارتکاب بخلاف
 سے مانع ہو اور امام سے بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہونا بعض اوقات میں ملکہ عصمت کو
 باطل نہیں کرتا کیونکہ ملکہ ایک کیفیتِ راسخہ ہے جو نفس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ارادہ کیا جاتا
 ہے کسی فعل کے صدور کا تو وہ بلا مشقت و کلفت و فکر صادر ہوتا ہے اور کسی فعل کا خلاف
 ملکہ راسخہ صادر ہونا اُس ملکہ راسخہ کی نفی نہیں کرتا ہے کیونکہ انسان عوارض سے خالی نہیں ہے
 مثل اس کے کہ کسی شخص میں ملکہ غفت و شجاعت خلقی ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ اُس سے کبھی
 خلاف ملکہ بعض امور صادر ہوں اور باوصف صادر ہونے ان امور کے اُسکی ذات
 سے ملکہ راسخہ زائل نہیں ہوتا ہے لہذا عصمت کہ جو ملکہ راسخہ کے معنوں میں ہے وہ اُس
 شخص کے لئے حاصل ہے جو کبائر سے اجتناب کرنا ہو اور اُس کے ترک پر مصر ہو اگرچہ اُس سے
 کسی وقت میں بعض صغائرِ نادرا سرزد ہو جاتے ہوں پس مسئلہ عصمت میں جو اشکال تھا
 وہ جا مارا ہوا اب تسلسل لازم نہ آئے گا جیسا کہ علامہ حلی نے ذکر کیا ہے لیکن علامہ نے
 یہ جو کہا ہے کہ اہل سنت نے امرِ عصمت میں اختلاف کیا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں
 کہ سارقین و فاسقین کے لئے امامت جائز ہے پس تمہکو معلوم ہے کہ یہ امر علامہ حلی کے
 افتراءات میں سے ہے جو انھوں نے اہل سنت پر کیا ہے کیونکہ کتب اہل سنت اس
 بات کے ذکر سے مملو ہیں کہ ائمہ کے لئے عدالت واجب ہے پس شخص فاسق کے لئے
 اہل سنت کے نزدیک کیونکر جائز ہوگا کہ امام ہو حالانکہ وہی شخص فاسق ضد ہے شخص عدل

کا پس معلوم ہوا کہ علامہ علی نے اہل سنت پر کذب و افترا کیا ہے اور باقی امور جو ان کے کلام میں مذکور ہوئے ہیں ان کے جوابات کو تو مکرر معلوم کر چکا ہے۔ ختم ہوا خلاصہ قول ابن روزبہان کا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کے اس قول میں کئی وجوہ سے نظر ہے لیکن پہلا امر جو اس نے ذکر کیا ہے کہ بحث امامت اشاعرہ کے نزدیک اصول دین سے نہیں ہے بلکہ ان فروع سے ہے جو متعلق ہیں افعال مکلفین سے الی آخر الکلام پس یہ دلیل ہے علمائے اہل سنت کی عدم دینیت اور عدم اطلاع کی حقائق اصول دین پر کیونکہ انکار ان لوگوں کا امامت کے اصل ہونے سے ایک مکابرہ ہے جو مردود ہے اس امر سے جسکو علامہ علی نے ذکر فرمایا ہے کہ ائمہ حافظان شریعت اور اس کے قائم کرنے والے ہیں اور ان ائمہ علیہم السلام کی حالت مثل جناب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور چونکہ یہ دلیل نہایت قوی تھی اسی وجہ سے ابن روزبہان نے اس کے جواب سے اغماض کیا اور نہایت تعجب ہے کہ علماء اہل سنت نے امامت کے فروع دین سے ہونے میں بہت مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس امر سے نہ بحث کرنا واجب ہے اور نہ اس میں حق کا طلب کرنا ضروری ہے بلکہ اس مسئلہ میں تقلید کافی ہے لہذا اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والا کافر نہیں ہے بلکہ ان کے ظاہر اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخالف فاسق بھی نہیں ہے اور اس امر کا التزام شخص اس لئے کیا گیا ہے تاکہ امن کے لئے ثبوت امامت با انتخاب میں سہولت ہو جائے اور رض اور اعتبار کی ضرورت باقی نہ رہے اور نیز فائدہ اس کا یہ ہے کہ جو حقوق انھوں نے ائمہ کے خلفاء کو دیدیے ہیں اور جو احادیث کہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کر دیئے ہیں ان کا فساد معلوم نہ ہو۔

پھر انھوں نے اس امر کا منہ قضمہ کیا ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ حقوق نبو

حمایت بیضہ اسلام میں اور حفظ شریعت میں اور نصب زایات و نشانات جہاد کفار
اور اہل بغاوت میں اور مظلوم کے لئے انصاف کرنے میں اور نیکی کے ناقد کرنے اور بدی
کے دوز کرنے میں اور علاوہ اسکے جو امور توابع منصب نبوت سے ہیں وہ سب امامت
کے لئے ثابت ہیں کیونکہ مرتبہ امامت خلافت نبوت ہے اور بسبب دلیل قول باری تعالیٰ
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے پس اولی الامر وہی امام ہے
بالاتفاق اور اسی امام کی معرفت واجب ہوگی اصالۃ نہ من باب المقدمہ۔

اور اس دلیل سے کہ اہلسنت نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے مثل حمیدی
کے کتاب جمع بین الصحیحین میں تحقیق فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے کہ جو شخص مر جائے اور امام زمانہ کو نہ پہچانتا ہو اسکی موت جاہلیت کی ہوگی اور یہ وقت
نفس صریح ہے اس بارے میں کہ مرتبہ امامت اصول دین سے ہے بسبب اس علم ضروری
کے کہ جاہل کسی امر کا فروع دین سے اگرچہ وہ امر واجب ہو اسکی موت جاہلیت کی تو
ہوگی اسلئے کہ اُس شخص کا جاہل ہونا اسکے اسلام میں موجب قبح نہیں ہے اور امام
زمانہ سے قرآن مجید مراد نہیں ہے جیسا کہ اہلسنت نے گمان کیا ہے ورنہ اُس کا سیکھنا
واجب ہوگا ہر شخص پر (یعنی تمام اسکے حقائق کا دریافت کرنا اور سمجھنا ہر شخص کے لئے
واجب عینی ہوتا) اس وجہ سے قرآن مجید مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے امام کی اصناف کی ہے زمانہ کی طرف اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر زمانہ
کے اہل کے لئے ایک امام مخصوص ہوگا کہ جس کی معرفت اہل زمانہ پر واجب ہوگی اور
اس قول کی بنا پر کہ امام زمانہ سے مراد تمام قرآن مجید ہے یا بعض قرآن مثل سورہ فاتحہ
کے اس تخصیص کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا خاص کر مذہب حنفی کی بنا پر کہ وہ تعلم قرآن کو
واجب نہیں جانتے ہیں اور نہ فاتحہ کتاب اور نہ کسی دوسرے حصہ قرآن کو بلکہ وہ
اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ زبان فارسی میں (مدہامتان کا ترجمہ) دو برگ سبکہ لینا

کافی ہے جیسا کہ جمہور علماء میں مشہور ہے پس یہ تاویل مقتضائے حدیث کے مطابق نہ ہوگی قطعاً بلکہ کتاب منہاج کے محث اخبار میں قاضی بیضاوی نے اور ایک جماعت نے اُس کے شاہین میں سے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسئلہ امامت اعظم مسائل اصول دین سے ہے کہ جس کی مخالفت کرنا موجب کفر و بدعت ہے اور مذہب حنفیہ میں استروشی نے اپنی کتاب فضول میں بیان کیا ہے کہ جو شخص ابوبکر کی امامت کا قائل نہیں وہ کافر ہے بلکہ اہل سنت اس امر میں اپنے فعل سے بھی مناقضہ کرتے ہیں کیونکہ ارادہ کرتے ہیں اُس شخص کے قتل کر دینے کا جو ابوبکر کو امام نہیں جانتا یا یہ کہتا ہے کہ میں اس کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ امیر المومنین علیہ السلام بلا واسطہ خلیفہ بنی صلعم ہیں بسبب اُس گمان کے کہ جو میرا ہے یا بسبب تقلید بعض مجتہدین کے بہر حال اگر مسئلہ امامت فروع دین سے ہوتا تو اس میں مجتہد کا گمان کافی تھا یا تقلید غیر کی پس ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُس مجتہد کو جس نے ایک گمان کیا ہے خاطی کہا جائے یا یہ کہ وہ قائل ہو اے ایسے امر کا جو گذر گیا نہ یہ کہ وہ اس امر کے قائل ہونے سے قتل کیا جائے حالانکہ فتوے اہل سنت بلکہ فعل اُن کا اس حکم کے خلاف ہے (یعنی اہل سنت اہل تشیع کو بسبب خلیفہ بلا فصل جاننے امیر المومنین علیہ السلام کے واجب القتل جانتے ہیں) اور استدلال کیا ہے صاحب کتاب موافق اور شرح موافق نے دلیلوں سے امامت کے فروع ہونے پر اس دلیل سے کہ نصب کرنا امام کا امت پر واجب ہے از روئے سمیع کے ذو وجہوں سے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ صدر اول میں مسلمین کا اجماع متواتر ہوا کہ بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی وقت کا امام زمانہ سے خالی ہونا ممنوع ہے یہاں تک کہ ابوبکر نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور اس دین کا قائم رکھنے والا کوئی شخص ضروری ہے پس تمام لوگ ابوبکر کے قول کی طرف متوجہ ہو گئے اور بہات امور میں دفن جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز اور تعزیت و تسلیہ اہلبیت سب کو ترک کر دیا اور خلفاء کے بعد سے اس وقت تک ہر زمانہ میں لوگ اسی امر پر قائم ہیں کہ ایک ہی امام کا نصب کرنا واجب ہے کہ جو قابل اتباع ہو۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے امام بنالینے میں دفع ضرر مظنون ہو اور دفع ضرر واجب ہے۔ اجماعاً۔

اور بیان اس کا یہ ہے کہ ہم نے اُس علم سے جو قریب بداہت ہے جان لیا ہے کہ مقصود جناب شائع علیہ السلام کا بنائے شریعت کے خلائق کے امور معاش و معاد کے وہ مصالح ہیں کہ جن کا فائدہ انھیں خلائق کی طرف عائد ہے ختم ہوا کلام صاحب شرح موافق کا۔

جناب قاضی سید نور اللہ شری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دلیل میں بہت سے وجوہ خلل و فساد کے موجود ہیں لیکن خلل اس استدلال کا کہ نصب امام امت پر واجب ہے وہ اس لئے ہے کہ یہ عوی مصادرہ علی المطلوب ہے کیونکہ واجب ہونا نصب امامت کا امت پر مبنی ہے اس امر پر کہ مسئلہ امامت فرع دین سے ہو یا وصف اس امر کے کہ وجوہ سمعی منحصر ہے کتاب و سنت و اجماع میں اور یہ سب چیزیں باعتبار ختم اس مقام پر مفقود ہیں جبکہ عنقریب ظاہر ہوگا۔

اور نیز یہ کہ وجوب نصب امام امت پر مقتضی ہے اس بات کا کہ جب وہ کسی امام کی امامت پر متفق نہ ہوں تو انعقاد امامت نہ ہوگا بلکہ نصب امامت میں پے در پے اعادہ واجب ہوگا اور کبھی اس نظر کے اجماع سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کیونکہ اکثر ان میں اختلاف آراء بھی ہوتا ہے اور یہ امر امامت کو امامت کی رائے پر معلق کرنے کو باطل کرتا ہے ورنہ نصب امام کا متعذر ہونا لازم آئے گا یا ہر فریق کی اپنی رائے پر عمل کرنے کا جواز لازم آئے گا پس اس صورت میں ہر فریق کا منصوب کیا ہو امام خاص اُس فریق کا امام ٹھہرے گا

اور یہ امر باطل ہے لیکن قول شایع موافق کاکہ مسلمین کا یہ تو اترا جماع ہے محال ہونے
 برخالی ہونے وقت کے امام سے تو یہ اسلئے باطل ہے کہ ممنوع ہونا خلو زمانہ کا امام
 سے عام ہے اس سے کہ وہ امام منصوب من اللہ والرسول ہو یا من جانب امت ہو اور
 دلالت عام کو خاص پر نہیں ہے پس حاصل مطلوب نہ ہوگا باوصف اس امر کے کہ جماع
 جو ذکر کیا گیا ہے وہ حجت ہے خلاف پر انہیں اہل تسنن کے اور مفید نہیں ہے کیونکہ
 ہم بہت سے زمانوں کو پاتے ہیں کہ جو خالی رہے اُس امام سے کہ جو جامع ہو شرائط معتبر
 کا جیسے کہ قرشی ہونا جو ان کے نزدیک بالاتفاق ضروری ہے اور عادل ہونا اور مجتہد ہونا
 کہ جس میں اختلاف ہے (یعنی بہت سے زمانوں میں ایسے خلیفہ رہے کہ جو نہ قرشی تھے
 نہ عادل تھے اور نہ مجتہد تھے) اور اس بات کا قائل ہونا کہ ایسا امام کسی غیر معلوم گوشہ
 دنیا میں موجود ہوگا مکابرہ ہے لیکن یہ قول اُس کا کہ تمام لوگوں نے ابو بکر کے قول کی
 طرف سبقت کی پس یہ باطل ہے اسلئے کہ یہ کل درحقیقت بعض تھے کل اصحاب کے
 باتفاق اہل اسلام پس تمام لوگوں کے نزدیک یہ سبقت ہر شخص پر حجت نہ ہوگی اور یہ
 بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مبادرت امام منصوب من اللہ والرسول کے تفحص کے لئے ہو۔
 اور اُس کا یہ قول کہ لوگوں نے اہم امور کو ترک کر دیا پس یہ باطل ہے اسلئے کہ
 جس نے ترک کیا امام کو اور دفن رسول کو وہ جائز (یعنی ظلم کرنے والا) اور جاہل و ندیق
 تھا نہ عالم و عادل اور نہ صدیق۔

اور فرقہ شیعہ ان لوگوں کے اس فعل سے اُن کے عصیان پر استدلال کرتے ہیں
 بلکہ اُن کا یہ فعل دلیل اُن کے عدم ایمان کی ہے اور انہوں نے اپنے اس فعل سے دنیا
 کو آخرت پر اختیار کیا اور دلیل اسکی یہ ہے کہ اہل سنت ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس کا
 حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی مغفور پر نماز پڑھے تو اُسکے گناہ بخند یئے جاتے ہیں پس اگر وہ
 لوگ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے تصدیق کرنے والے تھے

تو ہرگز آنحضرت صلعم کی تجہیز و تکفین و نماز سے کہ جو موجب سعادت کبریٰ و مغفرت عظمیٰ تھی اعراض نہ کرتے کیونکہ امور دین و دنیا میں مصلحت و مشورہ ایک یا دو دن کی تاخیر سے فوت نہ ہوتا پس اگر ان اصحاب کو کچھ بھی ایمان و مروت کا پاس و لحاظ ہوتا تو وہ آنحضرت صلعم کی نماز تک ضرور صبر کرتے اور اہلبیت علیہم السلام کو اس مصیبت عظمیٰ میں تعزیت دیتے اور اسکے بعد ان حضرات کو اپنے مشورہ میں شریک کرتے کیونکہ نزاع امر خلافت میں انھیں کے ساتھ تھی یہی وجہ ہے کہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ کیونکر شوریٰ صحیح ہوگا جبکہ اصلی شوریٰ دینے والے اُس میں موجود نہ ہوں اور کس قدر تعجب ہے کہ فیصلہ امر خلافت کیونکر دیا جب فوری ہو گیا حالانکہ جب قبل وفات آنحضرت صلعم نے بحالت مرض ارادہ فرمایا کہ اس معاملہ میں ایک تحریر لکھیں تو اُسکو عمر نے حبسنا کہتا ہے کہہ کر منع کر دیا جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

اور یہ جو شایع موافق نے بیان کیا ہے کہ خلفاء کے بعد سے اس وقت تک نصب امام کے لئے یہی طریقہ جاری ہے پس یہ ایک مکابروہ ہے اور خلاف اس کا ظاہر ہے جو کسی شخص سے مخفی نہیں۔

اور یہ جو اُس نے کہا ہے کہ اجماع سے امام بنالینے میں دفع مظنون ہے پس یہ اسلئے باطل ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور آنحضرت کی غیبت میں اس طرح سے امام کے نصب کے بغیر ضرر مظنون ہی نہیں ہے بلکہ یقینی ضرر ہے۔

اور یہ جو شایع موافق نے بیان کیا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ مقصود شارع علیہ السلام کا صلاح معاش و معاد خلق ہے جس کا فائدہ انہیں کی طرف عائد ہوتا ہے پس یہ استدلال اسلئے باطل ہے کہ یہ قول باوجودیکہ اُسکے مقصود پر دلالت نہیں کرتا ہے اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ افعال باری تعالیٰ معلل بالاغراض ہیں کیونکہ مقصود حق سبحانہ تعالیٰ اُس کے فعل کا موجب نہیں ہوتا ہے یہ ایک صریح مکابروہ ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور۔

اُن امور سے جن کو ہم نے تفصیل بیان کیا یہ امر محقق ہو گیا ہے کہ مرتبہ امامت خلافت نبوت اور قائم مقام درجہ نبوت ہے جیسا کہ اس کی طرف جناب مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اور جب یہ امر مسلم ہے تو جہد دلائل و براہین وجوب نبوت کے حکمت خدا میں سے بیان کئے ہیں وہی بعینہ وجوب امامت پر حکمت خدا میں دلیل ہونگے کیونکہ منصب امامت منصب نبوت کے مثل ہے اور نبوت و امامت میں کوئی فرق نہیں ہے بجز اس کے کہ نبوت میں القا و وحی الہی بلا واسطہ ہوتا ہے اور اسی طرح کلام ہے اُن شرائط میں کہ جو معتبر ہیں ہمارے نزدیک نبی میں۔

اور ابن روز بہان نے امام کیلئے جو شرط اجتہاد کا ذکر کیا ہے پس یہ دلیل مردود ہے اس طور پر کہ مرتبہ امام درجہ اجتہاد سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے جس طرح سے کہ مرتبہ جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ اجتہاد سے بلند و برتر ہے جیسا کہ آئینہ مباحث اصول فقہ میں وہ دلائل مذکور ہوں گے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں اور انہیں دلائل میں سے یہ امر ہے کہ اجتہاد کبھی خطا کرتا ہے اور جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطا کا واقع ہونا ہمارے نزدیک محال ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کی عصمت ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان سابقاً گذرا اور اسی طرح ہوگا امام کہ جو قائم مقام رسول صلعم ہے یعنی امام سے بھی صدور خطا محال ہے اور اس کا بیان بھی اوپر مذکور ہوا ہے۔ اور اس لئے بھی صدور خطا امام سے محال ہے کہ وہ اگرچہ موبد بالوحی نہیں ہے لیکن اُس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے لیکن اہل سنت کا امام کے لئے یہ شرط کرنا کہ وہ بصیر

اہل سنت کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ اولیاء اللوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ صنایری نے کہا ہے کہ لا یكون الوئی ولیاً حتی تری ما فی اللوح المحفوظ یعنی ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ مطالعہ لوح محفوظ نہ کرے دیکھو مقالہ الا سائد ابو ہدیٰ مصطفیٰ بن محمد الغالی احوال ابن حجر عسقلانی ۱۲ مترجم

بہ تدبیر حرب ہو پس یہ شرط شرائط عصمت سے ہے اسلئے کہ معصوم مومئد بالعقل ہے بدھتہ او بصارت کا ضروری ہونا ضروریات دین سے ہے اور اسی طرح سے شرط شجاعت ہے اور شجاعت کہ ابن روز بہان نے جب کہ یہ دیکھا کہ دعویٰ شجاعت کا ابو بکر و عمر و عثمان سے مشکل ہے اس لئے کہ وہ بارہا غزوات سے فراری ہوئے ہیں اور بہت دور نکل گئے ہیں اس لئے اپنے قول کے آخر میں شرائط امام میں قوی القلب ہونا بیان کیا ہے تاکہ جب کوئی شخص اسپر بوقت دعویٰ شجاعت اصحاب ثلثہ اعتراض کرے تو اسکو اس امر کی طرف فرار ممکن ہو اور قوت قلب کو بطریق قیاس عینی یا مثل اسکے جیسے کوئی تاریکی میں تیر اندازی کرے اس طرح بیان کرتا ہے کہ قوت قلب جو منشاء شجاعت ہے اور ایک امر غیبی ہے کہ جس کو بحر خدا کے دوسرا نہیں جانتا ہے وہ اصحاب ثلثہ کے لئے حاصل تھی اگرچہ اس قوت قلب کے آثار دلوں کا اُن میں ظاہر نہ تھے حالانکہ یہ تقریر باطل ہے لیکن امام کے لئے عدالت کا شرط ہونا پس امام کو بنے پر واکرتی ہے وہ شے جس کی ہم نے امام میں شرط کی ہے یعنی عصمت اُس شے سے کہ جو کمتر ہے مرتبہ میں یعنی عدالت اور یہ جو بیان کیا ہے کہ امام کے لئے عدالت و عدم ظلم و جو شرط ہے تو اس استدلال میں جو اعتراض ہے وہ مخفی نہیں ہے اس لئے کہ دلیل اسکی یہاں سے خاص تر ہے یعنی مال کا اغراض نفسانیہ میں صرف کرنا یہی سبب اشراط عدالت کا نہیں ہے بلکہ امام کا تمام نقائص و گناہوں سے بری ہونا لازم ہے۔

اور امام کے آزاد ہونے کی شرط پس اُس میں کسی کو کلام نہیں ہے اور قرشی ہونے کی بھی شرط درست نہیں ہے لیکن ہمارے ائمہ اثنا عشر قرشی ہیں اور پھر بنی ہاشم ہیں اور پھر بنی عبدالمطلب ہیں اور پھر آل نبی صلوات اللہ علیہ وآلہ بھی ہیں۔

دوسرے ابن روز بہان کا یہ قول کہ استدلال کیا ہے علامہ حلی نے کہ حاجت امام کی طرف ان امور میں ہے اُسکے آخر قول تک مواعراض و تردید کے باطل ہے۔
اولاً اس لئے کہ جو کچھ اُس نے بیان کیا ہے منع لزوم سے وہ منع ہے اُس دعویٰ کا جس پر

دلیل قائم ہو چکی ہے پس یہ منع قانون مناظرہ سے خارج ہوگا۔

اور ثانیاً اُس کا قول اس وجہ سے باطل ہے کہ ہم اولاً پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس منع کو اس نے ذکر کیا ہے اُس کے لزوم کو ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن منع کرنا واسطے وجوب اجتناب صغائر سے جیسا کہ اُس کا قول اس پر دلیل ہے کہ صدور بعض صغائر کا معفو ہے آخر قول تک یا منع کرنا واسطے وجوب اجتناب کے کل احوال میں بھی اور دوسری شق کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ انسان کے احوال میں سے کبھی حالت کہولت ہے کبھی کبھی ادبیتھی سفر و حضر ہر کبھی حالت قیام و قعود ہر اور کبھی وہ حالت رکوب میں ہر (یعنی سواری) اور کبھی پیادہ۔ اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مظلوم و ظالم کے درمیان میں انصاف نہ کر سکتا بعض حالات میں فائدہ امامت کے نخل ہوگا اور اسی طرح شق اول بھی باطل ہے کیونکہ کلام و بحث صدور صغائر میں نہیں ہے اور نہ اس میں کہ صغائر سے انصاف نہ ہو سکتا ہو بلکہ کلام ہے صدور صغائر و کبار میں امام سے اور صدور صغائر و کبار ضرور مستلزم ہے کہ وہ خطا کرے اور انصاف نہ کرے پس وہ محتاج ہوگا ایک دوسرے امام کا اور اس طرح تسلسل لازم آئے گا حاصل کلام یہ ہے کہ غرض نصب امام سے یہ ہوگی کہ وہی امام مکلفین کو خطا و عصیان سے دور رکھے اور طاعت رضوان الہی سے قریب کرے پس اگر یہ امام بھی ایسا ہوگا کہ اُس سے خطا جائز ہوگی تو یہ ایک دوسرے امام کا محتاج ہوگا اور اگر یہ دوسرا امام بھی معصوم نہ ہو تو تیسرے امام کی طرف احتیاج ہوگی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا پس اگر ان مراتب میں سے کسی مرتبہ کا امام معصوم نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تحقیق کہ یہ دلیل مشابہ ہے دلیل وجوب انتہاء ممکنات سے طرف وجود واجب کے تاکہ تسلسل دفع ہو جائے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے اور شاید کہ مخالف مکابرہ کرے گا اور کہے گا کہ نصب امام سے وہ غرض نہیں ہے جو تم نے بیان کی ہے کہ طاعت الہی سے بندوں کو قریب کرے اور خطا و عصیان سے اُن کو دور رکھے بلکہ غرض نصب امام سے

اہل اسلام کی حفاظت ہے اور تربیت امور اس طریقہ پر کہ وہ منتہی طرف کسی فتنہ و فساد کے نہ ہونے پائے اور خلایق کے احوال میں اختلال پیدا نہ ہو۔

اور ابن روزبہان کے قول میں اس کا اشارہ بھی موجود ہے اور رفع اس قول کا ظاہر ہے کیونکہ نظم و نسق امور ایسے طریقہ پر کہ جو مخالف شریعت ہوں یہ مقصود شارع علیہ السلام کا نہیں ہے پس واجب ہوگا کہ امام معصوم ہو والا انتظام امور وجہ شرعی سے نہ ہو سکے پس وہ امام محتج ہوگا ایک سرکار کا جس سے نظم امور مطابق شریعت حاصل ہوں اور اسی طرح تسلسل لازم آئے گا۔

تیسرے یہ کہ ہم اختیار کرتے ہیں ثانی (یعنی وجود ملکہ کو امام کے لئے) اور کہتے ہیں کہ اکثر اُس چیز کا کہ جس کو ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے احکام ملکہ سے وہ باطل ہے جس کو اُس نے اپنے نفس سے اختراع کیا ہے خاص کر یہ امر جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ امام سے صدور بعض صفات کا بعض اوقات میں ملکہ عصمت کو باطل نہیں کرتا ہے پس یہ ایک دعویٰ باطل و گاذب ہے۔ اور اُس نے اس امر سے جو استدلال کیا ہے کہ ملکہ ایک کیفیتِ راسخہ ہے نفس میں کہ جب ارادہ کیا جاتا ہے صدور فعل کا تو فعل صادر ہوتا ہے اُس کے سبب سے بلا مشقت تا آخر کلام ابن روزبہان پس یہ پہلے سے بھی زیادہ جھوٹا دعویٰ ہے اور جو کچھ کہ کتبِ مداولہ میں تعریف ملکہ مذکور ہے اُس میں قید دوام و ضبط ضروری ہے۔

علامہ دوانی اپنے رسالہ فارسیہ مشہورہ میں کہ جو تحقیق معنی عدالت میں اُنہوں نے لکھا ہے یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نفس حکمت و عفت و شجاعت ان تینوں ملکوں کا عادی ہو جاتا ہے اس حیثیت سے کہ ہمیشہ اُس کے افعال ایک قانون مستحکم اور طریق مقرر پر صادر ہوتے ہیں اور یہ افعال بلا تکلف اور بلا کوشش جدید اسی طریق پر قائم رہتے ہیں تو یہی ملکہ عدالت ہے۔ انتہی

اور ابن صاحب نے اپنی کتاب مختصر میں اور علاوہ ان کے اوروں نے اپنی دیگر

کتب میں عدالت کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ وہ ایک کیفیت اسخہ ہے کہ جو متصف بالعدالت کے لئے باعث ہوتی ہے ملازمت تقویٰ و مروت پر اور کسی چیز کا راسخ ہو جانا اور کسی عاود کا لزوم یہ دونوں مقتضی دوام اور عدم تحلف کے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ بلکہ وہ امر جو ابن روز بہان نے اس کے قبل مسئلہ عصمت انبیاء کی شرح میں قول اشاعرہ کو نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم انبیاء میں گناہ کو نہیں خلق کرتا یہ قول بھی مقتضی دوام و لزوم کو ہے اور بلکہ جو کچھ اُس نے تعریف خدا کی اس مقام میں نقل کی ہے وہ بھی یہاں اسی دوام و لزوم کی مقتضی ہے پس جو کچھ اُس نے ذکر کیا ہے کہ صدور اُس امر کا جو خلاف مقتضائے ملکہ راسخ ہو وہ وجود ملکہ کی نفی نہیں کرتا ہے پس یہ بیان ایک مقدمہ فاسدہ ہے کہ جو عقل و نقل و دونوں کے خلاف ہے ہاں ممکن ہے وقوع خلاف ملکہ عدالت کا ظاہر ادا سطرے کسی شخص کے مثل اس کے کہ کوئی شخص جبراً اس صاحب ملکہ کی خلق میں شراب ڈالے یا صاحب ملکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں سے بچانے کے لئے کلام غیر واقع کہے کیونکہ ایسی حالت میں ارتکاب ایسے کلام کا جائز ہوگا اور تحقیق کہ شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو پس اُس کو چاہئے کہ اُن میں سے سہل کو اختیار کرے اور چونکہ ان دونوں صورتوں میں جو ابھی مذکور ہوئی ہیں اور ان کے مثل میں کوئی مخالفت شرعی نہیں ہے پس اُن کا بجا لانا قاضی ملکہ عدالت نہ ہوگا۔

اور اسی باب سے وہ امر ہے جو خالت تقیہ میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے لیکن تیسرا امر یعنی یہ کہ اہلسنت کے نزدیک امامت فساد و غیرہ جائز ہے پس انکار اُس امر کا جس کی نسبت مصنف علیہ الرحمہ نے اہلسنت کی طرف فرمائی ہے کہ وہ امامت فساد و سراق کو بخیر کر رہے ہیں یہ ایک حیلہ ہے کہ جس کی اصلاح فنا ابن روز بہان کے اسلاف بھی نہیں کر سکے چنانچہ اسفرائینی شافعی نے اپنی تصنیف ریاضع کی کتاب جنایات میں بیان کیا ہے کہ امامت منعقد ہو جاتی ہے بیعت سے

علماء اور رؤساء اہل حل و عقد کے اور اُن لوگوں کی بیعت سے جن کا حاضر ہونا ممکن ہو اور وہ لوگ موصوف بصفات شہود ہوں (یعنی جو صفت گواہ کے لئے ضروری ہے مثل سچائی اور عدالت کے) جیسے کہ امامت ابو بکر صدیق کی ایسے لوگوں کی بیعت سے منفعہ ہو گئی اور خلیفہ قرار دینے سے اُس شخص کے جو قبل ہو اُسی امام کے جیسے خلافت عمر فاروق کی یا مابقی امام شوریٰ قرار دینا جیسے امامت عثمان کی یا قہر و استیلا سے اگرچہ وہ دالی ہونے والا فاسق ہو یا جاہل یا عجمی ہو منتہی ہوا قول سفاکتی شافعی کا۔

اور شایع عقاید نسفیہ نے بیان کیا ہے کہ امام زمانہ فسق و جور سے معزول نہیں ہوتا ہے کیونکہ بعد خلفاء ثلاثہ کے جب قدر خلفاء و امرا گزرے ہیں اُن سے فسق ظاہر ہوا اور جور پھیلا ہے اور باوصف ظہور فسق و جور لوگ اُن امہ کی اطاعت کرتے تھے اور اُن کی اجازت سے جمعہ و اعیاد قائم کرتے تھے ختم ہوا قول شایع عقائد کا۔

اور شایع وقایہ نے فقہ حنفیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ امام پر سبب شرخسہ کے حد نہیں جاری ہوتی ہے کیونکہ وہ امام نابجہ خدا کی طرف سے انتہی قول شایع الوقایہ اور یہ خرافات دلائل صرف اسلئے تجویز کئے گئے ہیں تاکہ اہلسنت کے لئے امامت معویہ و نزیہ اور مثل ان دونوں کے اوروں کی امامت صحیح طور سے تجویز ہو سکے اور جو شخص علماء اہلسنت سے اس امر کا قائل ہوا ہے کہ امام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اہل عدالت سے ہوں اس میں ظاہر یہ ہے کہ یہ شرط استحسانی ہے اُس کے نزدیک نہ یہ کہ عدالت امام کے لئے شرط لازم ہو

تَعْلِیْقُ عَلٰی سَلَامَةِ سَلٰی عَلَیْہِ السَّلَامِ

دوسری بحث اس امر کے بیان میں ہے کہ امام کے لئے واجب ہے کہ اپنی رعایا سے افضل ہوں فرقہ امامیت نے تو اس بات پر اتفاق کیا ہے اور جمہور نے اس سے مخالفت

کی ہے اور مفضل کے فاضل پر تقدیم دینے کو جائز سمجھا ہے حالانکہ تقدیم مفضل علی الفاضل مقتضا عقل اور رض قرآن مجید دونوں کے خلاف ہے اسلئے کہ عقل کے نزدیک تقدیم مفضل اور اہانت فاضل امر قبیح ہے۔

اور قرآن اس امر کے انکار کرنے پر رض کرتا ہے قول باری تعالیٰ سے کہ ارشاد فرمایا ہے اَفَمَنْ يَهْدِي الْاِلٰهَ الْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ يَتَّبِعَ اَمَّنْ لَا يَهْدِي الْاِلٰهَ اَنْ يَهْدِيَ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ یعنی آیا وہ شخص قابل اتباع ہے کہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا وہ جو کہ مہتدی نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ کوئی اُس کی ہدایت کرے پس کیونکر تم ایسے امر میں حکم کرتے ہو۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ انما يتذكروا لولا الالباب یعنی برابر نہیں ہیں وہ لوگ جو علم کے جائز ذائقے ہیں اور وہ جو علم سے بے بہرہ ہیں اور اس بات کو صاحبان عقل جانتے ہیں نہ غیر۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ انقیاد و اطاعت کرے جو بڑا عالم اور زاہد اور حرب و نسب میں زیادہ شریف ہو اُس کی جو علم و زہد و حرب و نسب میں اُس سے کمتر ہو مہتدی ہو ا کلام جناب مصنف کا۔

قول بن روزبہان

امام کے افضل رعیت ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ وہ حسب و نسب میں زیادہ شریف ہو اور معروف تر ہو اور بڑا شجاع ہو اور بڑا عالم ہو پس اس کا وجوب عقلاً لازم نہیں ہے اگر قول وجوب علمی کے قابل بھی ہوں کیونکہ عقل صریح حکم کرتی ہے کہ مدارا مامت کا حفا حوزہ اسلام پر ہے اور ریاست و طریق معاشرت رعایا کے جانتے پر موقوف ہے اس حیثیت سے کہ نہ تو وہ ایسا سخت و درشت ہو کہ لوگ اُس سے نفرت کریں اور نہ ایسا نرم

وضعیف ہو کہ رعایا اُس پر مسلط ہو جائے اور یہ کہ وہ امام حمایت کرنیوالا ہو اسلام کا اور علم اُس کے لئے اس قدر کافی ہے کہ جس کی قوم نے شرط کی ہے کہ وہ مجتہد ہو۔ اور اسی طرح شجاع ہونا اور حرب نسب میں قرشی ہونا اور اگر رعایا میں کوئی شخص ایسا پایا جائے کہ وہ ان تمام خصائل میں پورا ہو لیکن امام کا مثل حفاظت حوزہ اسلام میں نہ ہو پس عقل حکم کرتی ہے کہ جو حفظ حوزہ اسلام کرنیوالا عالم ہے وہی اولیٰ بالامامہ ہوگا اور بہت سے مفضولین فاضلین سے زیادہ قابل امامت کے ہوتے ہیں کیونکہ ہر امر کے والی ہونے میں اور اُس کے ساتھ قیام کرنے میں یہ بات معتبر ہے کہ وہ شخص اُس امر کے جملہ مصالح و مفاسد کو جانتا ہو اور اُس کے لوازم کے ساتھ قیام کی قوت رکھتا ہو اور اکثر مفضول علم و عمل میں ایسے ہیں کہ زعامت و ریاست کے ساتھ زیادہ ترعارف ہیں اور اُس کے شرائط کے ساتھ زیادہ قیام کرنے والے ہیں اور اُس کے بار اٹھانے پر زیادہ قادر ہیں۔

اگر مصنف نے افضل رعایا ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ وہ امام خدا کے نزدیک ثواب میں زیادہ ہو پس یہ امر ایسا ہے کہ اُس کی ذات کے لئے باعث شرف و سعادت ہے اور زعامت و ریاست سے اس شرف کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور اگر مصنف نے افضل رعایا ہونے سے اصلح للامامہ کا ارادہ کیا ہے بسبب اُس کے عالم ہونے حفظ حوزہ اسلام اور تدبیر ملک سے پس کہیں کچھ شک نہیں ہے کہ ایسا شخص رب کے ادنیٰ ہے لیکن نہ واجب ہوگی تقدیم اسی شخص کی جبکہ حاصل ہو جائے حفظ حوزہ کا اُس سے کمتر شخص سے بلکہ اولیٰ و انسب تقدیم اسی شخص کی ہے جبکہ مفضول کے لئے عقد بیعت سابق نہ ہوئی ہو اگر ایسے شخص کی بیعت سابق ہو چکی ہو اور اُس شخص کے بدل دینے میں گمان فتنہ کا ہو تو اس کا تغیر جائز نہیں ہے۔ یہ جواب ہے اُس چیز کا جس سے استدلال کیا ہے مصنف نے اس امر پر لازم تبع عقلی کی رو سے حالانکہ ہم اُس کے قائل نہیں ہیں اور مصنف یعنی جناب علامہ علی علیہ الرحمہ نے امام کے افضل رعیت ہونے میں جو استدلال لال آیت قرآنی سے

کیا ہے پس وہ آیت دلالت کرتی ہے عالم و جاہل کے برابر نہونے اور ہادی اور مضل اور مہتدی و ضال کے عدم مساوات پر اور یہ امر مسلم ہے پس یہ فاضل جو کہ امام نہوا اور مفضول امام ہو جائے اُس امام مفضول پر بسبب علم و شرف کے فاضل رہے گا لیکن جب مفضول کہ جو مصالح حفاظت اسلام اور امامت کے لئے اہل اور زیادہ لائق تر ہوں ہی امامت کے واسطے زیادہ حقدار ہوگا اور فاضل اپنے فضل و شرف پر یاتی رہینگا۔ اور اس میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے۔

اور اشاعرہ میں سے بعض نے اس مسئلہ میں تفصیل کی ہے اور کہہ ہے کہ نصب کرنا شخص افضل کا اگر موجب فتنہ ہو واجب نہیں ہے جیسا کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ لشکر و رعایا شخص فاضل کی اطاعت نہ کریں گے بلکہ مفضول کو مطیع ہوں گے اور اگر ایسا ہو یعنی شخص فاضل کا منصوب کرنا موجب فساد نہوا تو اس کا نصب کرنا واجب ہوگا۔ منتهی ہوا قول ابن روزبہان کا۔

جواب شیشویں ثانیۃ فی الحدیث

مراد مصنف کی یہ ہے کہ امام اپنی رعایا سے تمام اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ میں افضل و اکمل ہو مثل علم و زہد و بزرگی و شجاعت و عفت وغیرہ کے اور واجب ہے کہ امام رعایا سے نسب میں شریف تر ہو اور درجہ میں بلند ہو اور خلقت و خلق میں کمال ہو جس طرح کہ یہ صفات نبی کے لئے اپنی امت کی بہ نسبت واجب ہیں اور یہ حکم اکثر عقلا کے نزدیک متفق علیہ ہے مگر اہلسنت نے اکثر ان صفات میں اختلاف کیا ہے مثل اس کے کہ اعلیٰ و اشجعیۃ و آخر کو امام کے لئے ضروری نہیں جانتے ہیں کیونکہ ابوبکر میں یہ صفات موجود نہ تھے حالانکہ ان کے عمر و ابو عبیدہ نے امام نصب کر دیا تھا اور اسی طرح عمر میں بھی صفات مذکورہ موجود نہیں تھے حالانکہ عمر کو ابوبکر نے خلافت کے لئے منصوب کیا تھا اور اہلسنت یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اس طرح کا امام بنالینا جو واقع ہوا وہ ایک فیہر تھا کہ جو جاہ خلافت کی محبت اور امام

اصلی کی عداوت میں کیا گیا تھا جیسا کہ قول طلحہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اُس نے اُس وقت عمر سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ جب ابو بکر نے عمر کے لئے وصیت لکھ دی تھی کہ والی کیا تھا تو نے اُس کو کل اور اُس نے والی کیا تجھ کو آج علاوہ اسکے اور بہت سے جیلے اور مکائد ہیں جن کو یہ لوگ اہلبیت علیہم السلام سے غضب خلافت میں لائے ہیں اور اسی طرح ایک فرقہ مغزور کا کہ جن میں سے عبد الحمید بن ابی الحدید مدائنی ہے وہ اس کا قائل ہے کہ تقدیم مفضل کی فاضل پر کسی مصلحت کے لئے جائز ہے اور اسکے قائل ہوئے ہیں کہ علی علیہ السلام ابو بکر سے افضل تھے لیکن اُن پر ابو بکر کی تقدیم مصلحت جائز تھی اور یہ قول کسی طرح مقبول نہیں ہے کیونکہ لطف خداوند عالم سے کہ جو لطیف خیر ہے یہ امر قبیح ہے کہ مفضل کو جو محتاج تکمیل ہے مقدم کرے اُس فاضل پر کہ جو کامل ہے نہ عقلاً یہ امر صحیح ہے نہ ازہم نقل کے جیسا کہ اس کا بیان نبوت کی بحث میں گذرا ہے اور منشاء اشتباہ اُن کا اس تجویز میں یہ ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقدم کیا عمرو بن العاص کو ابو بکر و عمر پر اور اسی طرح اسامہ بن زید کو ان دونوں پر مقدم کیا حالانکہ یہ دونوں اُن سے بہتر تھے۔

اور جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو ہم شیخین کی افضلیت اُن دونوں پر نہیں کرتے دوسرے یہ کہ اس افضلیت کا توہم ان دونوں (یعنی شیخین کے لئے) اُس وقت ہو رہا ہے کہ جب وہ خلافت غضب کر چکے ہیں۔

اور عمرو بن عاص و اسامہ بن زید کو اسلئے شیخین پر تقدیم دی گئی کہ وہ دونوں شیخین سے اعلم تھے صرف امر حرب میں جیسا کہ اس پر اخبار و آثار دلالت کرتے ہیں اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ اُس وقت کے لئے ہے جب ہم تقدیم و تاخیر کو باختیار خدا قرار دیں اور اگر اُسکو ہم امت کے اختیار میں قرار دیں جیسا کہ یہ مذہب جمہور اہلسنت کا ہے تو اُس صورت میں بھی تقدیم مفضل نامقبول ہے اسلئے کہ عقلاً کے نزدیک یہ امر بھی قبیح

ہے کہ ایک مفضل جو فقہ میں مبتدی ہو ابن عباس پر مقدم کیا جائے اور یہ بات بالکل واضح ہے ہر عاقل کے نزدیک اور اس کا مخالف مکابرہ کرنیوالا ہے۔

اور عجائب امور سے یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے اس تقدیم کرنے کو جس کا وہ قائل ہوا ہے خدا کی طرف منسوب کیا ہے پس شرح نہج البلاغہ کے خطبہ میں بیان کیا ہے کہ خدا نے مفضل کو فاضل پر تقدیم کی ہے واسطے اُس مصلحت کے جس کے لئے تکلیف بمقتضی تھی اور یہ قول انتہائے سخافت کو پہونچا ہوا ہے اسلئے کہ ابن ابی الحدید نے اس امر کو کہ عقلاً قبیح تھا خدا نے تعالیٰ کی طرف نسبت دی ہے باوصف اسکے کہ وہ عدلی المذہب ہے پس اُس نے اپنے اس کلام سے اپنے مذہب کی مخالفت کی ہے اور اسی وجہ سے اُس نے اُن شکایات کو جو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ظلم صحابہ کے اپنے خطبہ تشقیق میں فرمائی ہیں اسی امر پر چل کیا ہے اور یہ بات کہ شکایت آنحضرتؐ کو صرف اسی امر پر ہے کہ تقدیم مفضل کی فاضل پر ہوئی اس کی کوئی وجہ نہیں ہے سوائے جناب امیر المومنین علیہ السلام پر ظلم کی (کیونکہ آنحضرتؐ نے تقدیم مفضل علی الفاضل کے سبب سے شکایات نہیں فرمائی ہیں بلکہ وہ جناب خلفاء کو کسی حیثیت سے مستحق خلافت نہیں سمجھتے تھے اور اُن کو با انواع ظلم ظالم جانتے تھے) پس اگر یہ تسلیم کریں کہ یہ تقدیم مفضل علی الفاضل خدا کی طرف سے تھی تو اس پر جناب امیر المومنین علیہ السلام کا شکایت کرنا مطلقاً صحیح نہ ہوگا کیونکہ اسی حالت میں یہ شکایت آپ کی خدا کے فعل کی رد ہوگی اور خدا پر معاذ اللہ رد کرنا حد کفر تک پہونچتا ہے اور اگر یہ تقدیم خلق کی طرف سے ہے پس اگر یہ تقدیم مکلفین کی مصلحت سے ہوئی جس کو تمام خلافت جانتی ہے سوائے علی علیہ السلام کے پس اس وقت میں آنحضرتؐ کی طرف جہل کی نسبت ہوگی اُس امر سے کہ جس کو عامہ خلق جانتی ہے اور اگر یہ تقدیم کسی مصلحت کے لئے نہ تھی بلکہ یہ تقدیم مجرد ہوائے نفس کے تھی پس شکایت : یہ

المؤمنین علیہ السلام کی مطابقت اُس وجہ کے نہوگی جس کو ابن ابی الحدید نے گمان کیا ہے کہ ایسی حالت میں کوئی وجہ اسکے حمل کی نہیں ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ استدلال کیا جائے عدم جواز تفصیل مفضولہ ابو بکر کے اس قول سے کہ انہوں نے کہا ہے اقیلوئی اقیلوئی فانی لست بخیر و علیٰ ذینکم میری بات کو فسخ کر میری بات کو فسخ کر کیونکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں در اں حالیکہ علی علیہ السلام تم میں موجود ہیں اور لیکن قول ابن رزبہان کا کہ صریح عقل حکم کرتی ہے کہ مدار امانت کا حفظ حوزہ اسلام پر ہو اُس کے آخر کلام تک پس یہ مردود ہے اس طرح پر کہ اگر ہم تسلیم کریں کہ مدار امانت کا حفظ حوزہ اسلام پر ہے مگر یہ کہ حفظ کے لئے یہ امر معتبر ہے کہ شرعی طریقہ پر ہو کہ جو خالی ہو جو ر و ظلم کی آمیزش سے اور یہ طریقہ ایسے شخص سے حاصل ہو جو صفت علم و زہد و فقہ و شجاعت و عفت و عفت بلکہ عصمت سے موصوف ہو جیسا کہ اس کا بیان گذرانہ یہ کہ حفاظت حوزہ اسلام عربی و سیاسی طریقہ پر ہو کہ جو حاصل ہوئی ہے معاویہ باغی سے اور اُسکے بچے یزید و ولید اموی جبار و عنیدت کہ جس نے قرآن مجید کو ہدف بنایا اور حجاج ظالم اور دوانیقی چور و تغلب کر نیوالا اور مثل ان کے ہر شیطان کے مرید سے پس یہ لوگ اپنے زمانہ حکومت میں دفع کرتے تھے اُس فتنہ کو جو اسلام کے لئے متوہم ہوتا تھا بلکہ دفع فتنہ و فساد مخصوص اپنی سلطنت و مرتبہ کے لئے کرتے تھے ہر اُس شخص کے قتل کر ڈالنے سے جس پر اتہام لگایا جاتا تھا اور سونی دی جاتی تھی ہر اُس دشمن کو جسکے بغض کا گمان ہوتا تھا اور اپنے قوم کے لوگوں اور اہل ہمسایہ کے گھروں کو جلا دیتے تھے اور اُن کی گردنیں ماری جاتی تھیں علاوہ اسکے اور بہت سی عقوبتیں (سزائیں) دی جاتی تھیں بنیر اسکے کہ اُن لوگوں پر کوئی گناہ بروجہ شرعی ثابت ہوتا ہو۔

باجملہ حفاظت حوزہ اسلام اُس طریقہ پر کہ جو شتمل ہوا انتظام ظاہری پر اور واسطے

دفع کرنے ہرج دمج کے اور دور کرنے مظالم بعض کے بعض سے خلفاء مجازی اور شاہان جو رکندہ کی امامت سے بھی ہو سکتی ہے بلکہ شیعہ و شب گرد سپاہیوں سے بھی حفاظت ممکن ہے بلکہ بسا اوقات اس طرح کا انتظام ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں نہ کہ خلفاء حقیقی کیونکہ ظاہری خلفاء اپنی سیاسیات عرفیہ سے اکثر دفع کرتے ہیں دست درازی کو جو ایک کیلے دوسرے کی جانب سے ہو اس طریقہ سے کہ ان کے غیر سے وہ طریقہ میں نہیں ہو سکتا۔

لیکن وہ خود اور ان کی اولیاء دولت ضعیف لوگوں کے ساتھ جس طرح چاہتے ہیں جو رفساد کا بڑا ذکر کرتے ہیں اور اگر دینِ قویم و صراطِ مستقیم کے احکام و ارکان میں کوئی خلل و کمی واقع ہوتی ہے تو ایسی درستی و اصلاح سے عاجز رہتے ہیں۔

اور چاہئے کہ صاحب عقل سنیم اس امر میں غور کرے کہ ایام حکومت یزید علیہ اللعنة میں کیا کچھ تغلب ہوا اور اُس کے مظالم کی یہاں تک زیادتی ہوئی کہ امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے آیا اس واقعہ میں کوئی بات بھی حفظ حوزہ اسلام کی ہوئی ہے۔

اسی طرح قتل کرنا یزید کا اہل مدینہ کو اور بے حرمت کرنا ہزار ناکتزا عورتوں کا اولاد صحابہ و تابعین کرام سے کیا اس سے رعایت حقوقِ خلافت ہوئی اسی طرح کعبہ پر منجھتیوں کا پھینکنا اور عمارت بیت اللہ الحرام کو خراب کرنا کیا ان سب باتوں سے اختلالِ انتظام کا تذکرہ ہوا ہے یا دعوتِ دارالسلام یعنی بہشت کی طرف ہوئی ہے۔ لیکن ابنِ ربوہ یہاں نے امام کے غایب یعنی سخت و درشت انہوں نے کی جو شہرِ طہیان کی ہے پس یہ حال امامتِ عمر بن الخطاب کے منافی ہے اور اُسکی یہ دونوں صفتیں صحابہ کی زبانوں پر جاری تھیں کیا کہ اس کا بیان عنقریب آئیگا لیکن امام کے لئے علمِ اجتہادی کی خسوف ہونا پس اسکے متعلق بھی بیان گزر چکا ہے اور عنقریب اُن خطاؤں اور گمراہیوں کا ذکر آئے گا جو اجتہادِ عمر سے صادر ہوئی ہیں کہ جن کا اُس نے اعتراف کیا ہے اپنے اس قول سے لو کا علیٰ لہاک عمر اور اپنے مقولہ کل الناس ما فقہ من عمر حتی المحدثات فی الحال۔

یعنی عمر بن خطاب اپنی زبان سے کہا کرتے تھے کہ سب لوگ عمر سے زیادہ فقہ جانتے
 والے ہیں یہاں تک پر دوں میں بیٹھنے والی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ باخبر ہیں اور
 لیکن اُس نے یہ جو فرض کیا ہے اپنے قول سے کہ اگر رعایا میں کوئی شخص ان صفات
 کا پایا جائے اُسکے آخر قول تک پس یہ ایک فرض محال ہے کیونکہ یہ امر نہیں سمجھا جاتا کہ
 ایک شخص متصف بہ شرافت حسب و نسب ہو اور معروف تر ہو اور شجاع تر اور عالم
 ہو اور اُس کا غیر حفظ حوزہ اسلام کا عالم ہو اس طریقہ پر کہ جو مطابق قانون شرع ہو اور
 شاید کہ اہل سنت نے امت کا گمان کیا ہے کہ ابو بکر و عمر البتہ مقابل جناب امیر المومنین
 علیہ السلام کے تھے حالانکہ باطل ہونا اس کا واضح ہے اسلئے کہ یہ امر مشہور ہے کہ اُس
 تدبیر فتح عجم اور نشر اسلام کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ سب امیر المومنین علیہ السلام کے مشورہ
 و تدابیر سے کیا ہے ہاں البتہ وہ جناب اُن جیلہ و کمر سے اجتناب فرماتے تھے کہ جن کو
 اہل عسکر استعمال کرنے کے عادی تھے اور وہ لوگ معاویہ کو ان صفات سے موصوفہ
 کرتے ہیں چنانچہ حکایت کی گئی ہے کہ جب امیر المومنین علیہ السلام کو اس بات کی خبر
 پہنچی کہ ایک جماعت آپ کے لشکر میں یہ کہتی ہے کہ معاویہ صاحب مکر ہے اور امیر المومنین
 ایسے نہیں ہیں تو حضرت نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ اگر دین کا خیال نہوتا تو میں تمام عز
 سے زیادہ صاحب مکر ہوتا اور اسی طرح کلام ہے شوق ثانی میں اُسکی تردید سے کہ یہ
 امر عقلاً صحیح نہیں ہے کلام وہ شخص مقرر ہو کہ جو اپنے زمانہ میں ثوب میں خدا کے نزدیک زیادہ
 ہو اور قواعد علم امامت و ریاست کے علم سے بے بہرہ ہو اور تمام اہل زمانہ سے امرات
 میں مفضل ہو۔

اور لیکن یہ جو ابن روز بہان نے ذکر کیا ہے شوق ثالث میں کہ فاضل کی تقدیم و تاخیر
 نہیں ہے جبکہ حوزہ اسلام کی حفاظت اُسکے کتر سے ہو جائے پس اس قول میں یکجہ
 ہے کہ یہ عین اعتراف ہے جو از تقدیم مفضل علی الفاضل کا جسکو عقل و نقل دونوں انکار

کرتی ہیں اور جناب مصنف رحمہ اللہ نے اُسکے قائل ہونے والے کے لئے شناخت قرار دی ہے پس ایسی حالت میں ابن روز بہان کو واجب تھا کہ اپنے نفس پر اس طول طویل بحث کو نہ وسیع کرتا اور صاف کہہ دیتا کہ تفصیل مفضول جائز ہے جبکہ انتظام ریاست مفضول سے بھی ہو سکے اور اس بحث کے مقدمات میں جو کچھ اُس نے کہا ہے لغو اور قابل اعتراض طول نہ ہوتا علاوہ اسکے جو کچھ کہنا صوبے اس شق میں بیان کیا ہے وہ خلاف ہے شیخ الرئیس کی تصریح کی جو انھوں نے شفا میں کی ہے اور اس طرح کہا ہے کہ بڑی بات جو قابل اعتبار ہے خلیفہ میں وہ یہ ہے کہ عقل اور حسن حکومت میں وہ سب سے زیادہ ہو بشرطیکہ وہ دیگر شرائط سے اجنبی نہ ہو پس اگر موجودین میں ایک اعلم ہو اور ایک عقل ہو تو اعلم کو لازم ہے کہ عقل کی شرکت کرے (اعلم یعنی زیادہ تر علم رکھنے والا اور عقل کے معنی زیادہ عقل و فہم رکھنے والا) اور عقل کو لازم ہے کہ اعلم سے مدد لے اور اس کی طرف رجوع کرے جیسے عمر علی کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کلام سے صحت ظاہر ہے کہ جو علم سے بے بہرہ ہو اور جاہل ہو اگرچہ حسن حکومت اور عدالت کا جاننے والا نہ ہو وہ قابل خلا نہیں ہو اور یہ بھی اس کلام سے ظاہر ہے کہ جو شخص سیاسیات میں زیادہ عارف ہو وہ امامت شیعہ علم سے اولیٰ جب ہوگا جبکہ وہ اعلم عدالت و حکومت میں اعرف سیاست (سیاست کا زیادہ عارف) کے مثل نہ ہو پس اگر جان بھی لیا جائے کہ عمر زیادہ واقف تھا سیاست میں تب بھی امیر المومنین علیہ السلام سے اولیٰ نہ ہوگا خلافت کے ساتھ کیونکہ وہ جناب دونوں امروں میں (یعنی عدالت و علم دونوں میں) مرتبہ رفیعہ پر فائز تھے جیسا کہ خصم نے اس کا اعتراف کیا ہے اور شیخ نے جو یہاں امیر المومنین علیہ السلام اور عمر کا ذکر بطور مثال کے کیا ہے اس میں ایک دقیق امر ہے جس کا مفصل ذکر ہم نے کتاب مجالس المومنین میں کیا ہے اور شاید ابن روز بہان نے گمان کیا ہے کہ مضمون اس شق کا خلفاء ثلاثہ پر درست ہوتا ہے اور یہ کہ اُن کو بسبب علم ریاست کے امیر المومنین علیہ السلام پر ترجیح ہے لیکن

اور لازم آئیگا عدم استوار جاہل کا عالم کے ساتھ امانت میں بھی اور یہی مطلوب ہے یہ
اعتراف نہیں ہو سکتا ہے کہ اصول فقہ میں یہ ہے کہ نفی سادات اس قول باری تعالیٰ کے مثل
میں لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنة مقضیٰ ہے عموم کا اور کلمہ نفی
اس میں موجود نہیں ہے کہ جس آیت کے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں پس مطلوب
علامہ کا حاصل نہ ہوگا کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ مراد نفی سے وہ ہے کہ جو عام ہو مفہوم
کلمہ لایستوی اس کے ہم معنی جو لفظ ہوا اور کلمہ هل قول باری تعالیٰ میں هل یستوی
الذین یعلمون والذین لا یعلمون وہ استفہام انکاری ہے کہ جو دلالت کرتا ہے
مبالغہ پر نفی کے چہ جائیکہ اصل نفی پر پس اس بات کو سمجھنا چاہیے اور لیکن یہ جو
ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے کہ اشاعرہ نے اس مسئلہ امانت میں تفصیل کی
ہے کہ نصب افضل کا امانت کے لئے اگر موجب فتنہ و فساد ہو واجب نہیں
ہے پس ظاہر ہے کہ اُس نے اس کے ذکر سے اشارہ طے جناب امیر المومنین
علیہ السلام کے کیا ہے کہ وہ جناب اگرچہ افضل و اکمل افراد تھے لیکن عسا کہ قریش
جو کہ صحابہ تھے اُس زمانہ میں وہ آنحضرتؐ کے مطیع نہ تھے بسبب اس کے کہ اُن کے
قلوب میں ایام جاہلیت کے کینے اور جنگ بدر کی دشمنیاں کہ جو آپؐ کی تلوار سے
اُن کے اسلاف و اخوان و اولاد قتل ہوئے تھے اُن کے دلوں میں موجود
تھیں۔ اور حاصل کلام کا بخضوع رجوع کرتا ہے اس امر کی طرف کہ اُن لوگوں
نے علی علیہ السلام کو خلیفہ نہیں بنایا باوصف اس کے کہ وہ جناب مسیحی خلافت
تھے کیونکہ اگر وہ لوگ آنحضرتؐ کو خلیفہ بناتے تو لوگ ان جناب کے مطیع نہ ہوتے
اور آپؐ کی خلافت پر فتنہ برپا کرتے جیسا کہ بعد خلفائے ثلاثہ کے جب امیر المومنین علیہ
السلام کو خلافت ہوئی تو اُن لوگوں نے فتنہ برپا کئے اور اس قول کا فساد ظاہر
ہے (یعنی مسیحی خلافت کو ایسے اعدا باطلہ کے سبب خلیفہ کرنا باطل ہے)

فَتْحُ خَلَا عَلَمِ حُجَّاجٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

تیسری بحث امام کے معین کرنے کے طریقہ میں ہے پس جانتا چاہیے کہ فرقہ امامیہ اسکے قائل ہیں کہ طریقہ امام کے معین کا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

پہلے یہ کہ امام کے لئے خدا و رسول کی طرف سے نص (یعنی قطعی دلیل) ہو یا جس امام کی امامت ثابت ہو گئی ہو اُس امام سابق کی طرف سے اس امام لاحق پر نص ہو یا امام کے ہاتھ پر ظہور معجزات ہو کیونکہ امام کے لئے عصمت کا ہونا شرط ہے اور وہی عصمت یہ اُن امور خفیہ باطنیہ میں سے ہے جس کو سوائے خداوند عالم کے دوسرا نہیں جانتا اور اس طرح سے امام کے معین کرنے میں فرقہ اہل سنت نے مخالفت کی ہے اور بوجہ عمر بن الخطاب کی بیعت کے برصائے ابو عبیدہ و سالم غلام حدیفہ و بشر بن سعد و اسید بن الحصین ابو بکر کی اطاعت کو واجب کیا ہے تمامی خلافت پر خواہ وہ مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے پس کیونکر درست ہوگا اُس شخص کے لئے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے کہ چار آدمیوں کی بیعت کے سبب سے اُس شخص کے اتباع کو واجب سمجھے کہ جو نہ منصوص من اللہ و الرسول ہو اور نہ تمامی امت نے اُسکی بیعت پر اجماع کیا ہو۔

اور جو سنی جو علمائے اہل سنت کا ایک بڑا عالم اور عباد الہیت علیہم السلام میں بہت شدید ہے اور اس امر کا قائل ہو ہے کہ امام کی امامت قبیلہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص کی بیعت کر لینے سے منقطع ہو جاتی ہے دوسرے شخص کی بیعت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پس آیا کوئی عاقل اس امر پر راضی ہوگا کہ اپنے نفس کو ایسے مذہب کا مطیع بنا دے اور اپنے لئے یہ امر لازم کرنے کہ جس شخص کی عدالت کا حال

۱۔ جو کہ شخص نانہ بنی عباس میں تھا اس وجہ سے اس نے قبیلہ بنی ہاشم کی فید گائی ۱۲

بھی معلوم نہ ہو اور نہ اُس کے ایمان اور عدم ایمان کو جانتا ہو اور نہ اُس سے اس طرح کی معاشرت رہی ہو کہ یہ اُس کے فضائل حمیدہ یا عادات رذیلہ کو جان سکے محض اس بنا پر اُس کی بیعت کرے کہ اس سے ایک شخص نے بیعت کی ہے جو اُس کی عدالت کو بھی نہیں جانتا اور کسی شخص کا اس طرح سے بیعت کر لینا محض چال و حماقت اور راہ راست سے گمراہی ہے خدا کی پناہ کہ انسان اپنی خواہش کی پیروی کرے اور محبت دنیا اُس پر غالب آجائے۔

اور عجائب و غرائب امور سے یہ ہے کہ فرقہ اشاعہ بحث کرتے ہیں امامت اور اُس کے فروع سے اور فقہ سے اور اُس کی تفصیلات سے باوصف اس بات کے کہ اشاعہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ تمام خلافت اپنے افعال میں خطا کیسے ہوں اور نیز وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ اگر خداوند عالم ان شریعتوں اور دینوں کے جاری کرنے سے ارادہ اپنے بندوں کے گمراہ کر کے کا کرتا ہو پس اشاعہ ایسی شریعتوں کی نہ تو تصدیق کرنے والے ہیں اور نہ ان کا گمان کریں گے پس باوصف غلبہ گمراہ کرنے و کفر کے اور انواع عصیان کے جو معاذ اللہ خداوند عالم سے صادر ہوتے ہیں کیونکہ کوئی عاقل شریعتوں کے صحیح ہونے کا گمان یا شک کرے گا بلکہ ہر عاقل ایسی شریعتوں کے باطل ہونے کا گمان کرے گا بنا بر طریقہ انہیں اشاعہ کے غالب ہونے پر حمل کر کے کیونکہ اصلاح عالم میں اقل قلیل ہے پھر یہ کہ ان کی تجویز کی بنا پر یہ ہو سکتا ہے کہ خدا ہم کو منع کر دے سانس لینے سے ہو میں باوصف اس کے کہ ہم کو اُس کی ضرورت و حاجت ہے اور کسی طرح سے یہ امر باعث مفدہ نہ ہو یا یہ کہ خدا ہم پر پانی کا پینا شدت عطش میں جو کہ جائز ہے حرام کر دے اور پانی سے کچھ اُس کو نفع نہ ہو اور اس میں اُس کا کوئی ضرر نہ ہو اور کوئی مفدہ بھی نہ ہو پھر بھی سن کرے پس خود خدا ایسا ہو تو کیونکر حاصل ہوگا قطع اس بات کا کہ وہ خدا لطف

کرتے اپنے بندوں کے ساتھ اور مصلحت قرار دے واجب کرنے میں اتباع اس
امام کے ختم ہوا کلام علامہ۔

قول ابن روز بہان

جان تو تحقیق کہ انسان بجز امامت کی صلاحیت رکھنے کے اور جامع شرائط
ہونے کے امام نہیں ہو جاتا ہے بلکہ امام ہونے کے لئے ایک دوسرے امر کی ضرورت
ہوتی ہے اور وہ امر یہ ہے کہ نص ہو رسول سے یا اس امام سے جو سابق ہے اس
امام سے اور یہ دو باتیں بالاجماع موجب امامت ہیں اور نیز اس امام کا امام ہونا
اہل حل و عقد کی بیعت سے ثابت ہوتا ہے نزدیک اہل سنت و جماعت کے اور
فرقہ مقلد اور صالحہ زیادہ بھی اسکے قائل ہیں مگر فرقہ شیعہ میں سے امامیہ اس
عقیدے کے خلاف ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ تعین امام کے لئے
سوائے نص خدا اور رسول کے اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہماری یہ دلیل ہے
کہ امامت ابو بکر کی بیعت اہل حل و عقد سے ثابت ہے جیسا کہ اسکے بعد اپنے مقام
پر اس کا مفصل آئے گا لیکن یہ جو علامہ رحلتی نے ذکر کیا ہے کہ خلافت ابو بکر صرف
عمر کی بیعت اور چار آدمیوں کی رضا و رغبت سے منعقد ہو گئی یہ امر باطل ہے کیونکہ
احادیث متواترہ اور اجماع امت اس دعویٰ کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ خلافت ابو بکر
کی یوم سقیفہ منعقد ہو گئی تھی کہ جہاں اہل حل و عقد موجود تھے اور وہی اہل حل و
عقد بروز سقیفہ جماعت انصار تھے خاص کر قبیلہ خزرج اسلئے کہ مراد اہل حل و عقد سے ٹلوان
شکر ہیں اور وہ لوگ ہیں کہ جن کی بلا شرکت و رضا مندی امامت و خلافت
ماتمام رہتا ہے اور اس وقت ان کے مطابقی جماعت انصار ہی اہل حل و عقد ہیں
تھی اور آیا رباب قوارخ میں سے کسی ایک شخص کو بھی اس امر میں اختلاف ہے

کہ ابو بکر مقام سقیفہ سے علیحدہ نہیں ہوئے جب تک کہ تمامی انصار نے انکی بیعت نہ کر لی ہو بجز سعد بن عبادہ کے کیونکہ وہ مریض تھے اور یوم سقیفہ کے رات دن بعد وہ مر گئے پس جب خلافت ابو بکر اس طرح سے منفقہ ہو گئی ہو پس کیونکر کوئی کہے گا کہ خلافت ابو بکر کی عمر کی بیعت کرنے اور صحابہ میں سے چار آدمیوں کی رضامندی ظاہر کرنے سے منفقہ ہوئی اور یہ ایک افتراء باطل ہے جسکی تمام تواریخ تکذیب کرتی ہیں ہاں یہ بات البتہ صحیح ہے کہ ابو بکر کی بیعت کرنے میں ابتدا عمر بن الخطاب نے کی تھی اور بعد تردد و مباحثہ واضطراب کے کل انصار نے بیعت کر لی۔

اور اگر جماعت انصار نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علی علیہ السلام کی خلافت پر کوئی نص سنی تھی پس کیوں نہیں اُس نص کو ابو بکر پر حجت قرار دی اور کیوں انصار نے ابو بکر کی خلافت کو اس حجت سے دفع نہیں کیا۔

آیا انصار ابو بکر و عمر سے خوف کرتے تھے حالانکہ وہ لوگ اپنے اصلی وطن میں تھے اور نصب امام کے لئے کہ جو ان کی قوم سے ہو جمع ہوئے تھے اور وہی لوگ تعداد میں ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ تھے اور انہوں نے بعد مباحثہ کے سقیفہ میں یہ کہا تھا کہ ایک امیر ہمارے گردہ کا بنایا جائے اور ایک امیر تمہاری جماعت کا مقرر کیا جائے پس جماعت انصار کے لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اے ابو بکر اور اے عمر زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے کہ رسول صلعم نے بروز غدیر خم خلافت علی رضی فرمائی ہے پس تم لوگ رسول اللہ کے قول کو کیوں باطل کرتے ہو اور ان کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اور اقل مرتبہ اس مباحثہ کا یہی ہوتا کہ وہ لوگ اپنے نفسوں سے بیعت کو دفع کرتے حالانکہ فرقہ امامیہ میں ایک شخص نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ انصار نے یوم سقیفہ اس قول کو ظاہر کیا ہو۔

پس اے گردہ عقلا اس بات میں غور و تامل کرو کہ آیا یہ ممکن ہے کہ تمام لوگوں

کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر نص کی جائے اور وہاں انصار موجود نہ ہوں اور آیا یہ ممکن ہے کہ وہ انصار جنہوں نے خدا اور اُس کے رسول کی نصرت کی ہو اور دارِ حِجرت و ایمان میں جگہ حاصل کی ہو اور عرب کے عداوت اختیار کی ہو اور اشرفِ عرب کو قتل کیا ہو محض نصرتِ رسولِ صلعم کے واسطے وہی لوگ معارضہ و مباحثہ کے وقت ساکت رہیں اور نص کا مطلقاً ذکر نہ کیا ہو باوصف اُس کے کہ عمر و ابو عبیدہ نے انصار کو اس بات سے قائل کیا ہو کہ آنحضرت صلعم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ائمہ قبیلہ قریش سے ہونگے پس جبکہ انصار اس امر کو جانتے تھے کیوں اُنہوں نے نہیں کہا کہ امامت علی علیہ السلام کا حق ہے نبضِ رسولِ یومِ غدیر خم۔ اور اگر کوئی عاقل اور منصف اس معاملہ میں تامل کرے گا جس کو ہم نے بیان کیا ہو کہ یومِ سقیفہ جماعتِ انصار ساکت رہی اور بیعتِ ابوبکر کے دفع کے لئے نص کو خلافتِ علی علیہ السلام کے بارے میں دلیل نہیں لائے وہ شخص بہ یقین جان لے گا اور اس بات کا اقرار کرے گا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کی امامت پر نص نہیں فرمائی۔

اور یہ بھی جان لے گا کہ خلافتِ ابوبکر اہل حل و عقد کی بیعت کرنے سے منع ہوئی ہے پھر اُس کے بعد جو کچھ علامہ حلی نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ فرقہ اشاعرہ اس پر بحث کر نیکی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور امامت میں اشاعرہ کی اس بحث پر تعجب کیا ہے کہ وہ قائل ہیں تحقیق کہ خدا ہر شے کا خالق ہے پس یہ ایک ایسی بات ہے جس کو علامہ نے بارہا ذکر کیا ہے اور اُن کو سوائے اُس کے اور بنا برائے فاسدِ کمالِ تصویریں سامنے لانے کے اور کچھ معلوم نہیں ہے۔

اور تحقیق کہ ہم نے تیرے لئے ظاہر کر دیا ہے وہ کہ جس کو علامہ حلی نے ذکر کیا ہو اُس میں سے کوئی چیز اشاعرہ پر لازم نہیں ہے۔

جوابِ شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ اس قول میں بہت سی باتیں جہل کی ہیں اور بہت سی قسمیں تکلف جاہل بننے کی ہیں لیکن

پہلے یہ کہ یہ اُس کا کہنا بجا نہیں ہے کہ کوئی شخص بجز صلاحیت رکھنے امامت کے اور اُس کے شرائط جمع ہونے کے امام نہیں ہوتا پس تحقیق کہ یہ مقدمہ اُس کے اثبات مطلوب میں کچھ مفید نہیں کیونکہ صرف شرائط کا جمع ہو جانا کسی شخص کے لئے اگرچہ موجب امامت نہ ہو لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص منصوص من اللہ امام ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اُس میں امامت کے شرائط جمع نہ ہوں اور بحث اس امر میں ہے کہ آیا سو ائمہ علیہ السلام کے اور کوئی شرائط امامت کا جامع تھا یا نہیں پس اسکو سمجھنا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ مصنف کے اس قول کو کہ امامت ابو بکر کی منقذ ہوئی ہے بیعت عمر اور صرف چار آدمیوں کی رضا مندی سے اسکو باطل سمجھنا جہل ہے یا تکلف جاہل بنتا ہے اسلئے کہ یہ امر حق ہے جو جاری ہوا ہے اُن کے اصحاب کی زبان پر اور وہی صاحبِ مواقف و شایعِ مواقف ہیں چنانچہ اُس میں مرقوم ہے جبکہ یہ امر ثابت ہوا ہے کہ امامت کا حصول انتخاب اور بیعت سے ہے پس جانتا چاہئے کہ یہ حصول امامت کل اہل حل و عقد کے اجماع کا محتاج نہیں ہے بلکہ اصل حقیقہ یہ کہ کوئی دلیل عقلی یا سمعی قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ ایک یا دو آدمیوں کا اہل حل و عقد ہیں سے بیعت کر لینا ثبوت امامت و وجوب اتباع امام کل اسلام پر کافی ہے۔

اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ہمکو معلوم ہے کہ صحابہ باوصف اسلئے کہ دین میں بہت سخت تھے اور حفاظت امور شرعیہ پر نہایت شدید تھے کما حقہ انہوں نے

امامت کے منفقہ ہونے میں اسی پر اکتفا کی کہ ایک یاد و بیعت کر لیں جیسا کہ عمر نے ابو بکر کے لئے امامت کو منفقہ کر دیا اور عبدالرحمن بن عوف نے عثمان کے لئے امامت و خلافت کو منفقہ کر دیا اور اس امامت کے منفقہ کرنے میں تمام اہل حل و عقد مدینہ کا اجتماع کو بھی شرط نہیں سمجھا چہ جائیکہ اسکی شرط کی جاتی کہ امت کے کل علماء و مجتہدین کا اجتماع ہو جاتا جو تمام شہروں میں نہ تھے یہ واقعہ گذرا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ اس بات پر انکار کیا کہ ایک یاد و اہل حل و عقد کی بیعت پر کیوں اکتفا کی گئی اور اُس وقت اس وقت تک کے تمام زمانے اسی بنا پر ختم ہو گئے ختم ہوا قول صحابہ موافق و شایع موافق کا۔

اور نہایت عجب ہے کہ ابن روزبہان نے اپنی کتاب کی اس قسم میں جو کچھ لکھا ہے اکثر اُس کا موافق اور اُس کے شایع سے اخذ کیا ہے اور جس عبارت کو ہم نے نقل کیا ہے اُس تک اُسکی نظر نہیں پہنچی ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں اس تقدیر پر کہ اہل بیعت بہت سے لوگ ہوں مگر یہ امر محفی نہیں ہے کہ وہ لوگ تابع ہوں گے حکومت شرع کے اپنے باب میں اور اُن کو کوئی تصرف دوسروں کے باب میں نہ ہو اگرچہ وہ غیر احاد امت میں ہوں اور کسی ہمہ میں اپنی مہمات دین سے اُن کو تصرف حاصل نہ ہو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ والی و حاکم کر سکیں کسی شخص غیر کو نفوس خلایق خواہ اپنے گروہ میں سے یا غیروں میں اسلئے کہ جو شخص اقل امور میں تصرف نہ کر سکے اذنائے اشخاص کے لئے پس کیونکر اُس کے لئے یہ قدرت ہوگی کہ وہ شخص غیر کو تمام اہل شرق و مغرب کے نفوس اور اُن کی جانوں اور مالوں پر حاکم و متصرف بنائے علاوہ اسکے ادعا کرنا اُس کا متواتر نقلوں کا اپنے دعویٰ باطلہ مذکورہ پر منافی ہے اُس قول کے جسکو وہ آئندہ ذکر کریگا بمقام ذکر مفسد علی علیہ السلام کہ کوئی حدیث متواتر عالم میں نہیں ہے بجز ایک حدیث کے۔

تیسرے یہ ہے کہ یہ اُس کا کہنا کہ بروز سقیفہ اہل حل و عقد جماعت انصاری تھی یہ امر بظاہر دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ عمر و ابو عبیدہ کہ جو عمدہ ترین اہل بیعت سے تھے وہ زمرہ اہل حل و عقد سے خارج تھے اور رتبہ اجتہاد سے متصف نہیں تھے اور یہ امر ان دونوں کی جلالت قدر جو ان کے نزدیک ہے اُسکی تحقیر کرتا ہے جیسا کہ یہ امر پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے۔

اُسکے بعد ابن روزبہان کا اس حصر پر استدلال کرنا اپنے اُس قول سے کہ مراد اہل حل و عقد سے امراء لشکر ہیں کہ جن کے بلا مشورہ امرنا تمام رہتا ہے پس یہ استدلال ابن روزبہان کا دو طرح سے مردود ہے۔

ایک یہ کہ تفسیر اہل حل و عقد کی امراء لشکر کے ساتھ یہ ایک ایجاد ناصب کی ہے کہ جس کا ذکر اُسکے علماء کی کتب میں کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔

اور ہر آئینہ وہ امر کہ جسکی تصریح ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اور عہد الایچی نے اُسکی شرح میں اور علاوہ ان دونوں کے اوروں نے اپنی تصنیف میں جو بیان کیا ہے یہ ہے کہ اجماع اتفاق ہے مجتہدین کا امت محمد صلعم میں سے کسی زمانہ میں ایک امر پر خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی۔

دوسرے یہ کہ تفسیر کرنا اہل حل و عقد کا امراء لشکر سے اور اہل حل و عقد کا صرف جماعت انصاری میں منحصر کرنا خارج کرتا ہے امیر المومنین علیہ السلام کو اور ابو بکر و عمر و عثمان و اسامہ بن زید کو اہل حل و عقد سے حالانکہ جناب امیر المومنین ثلثہ اور ان کے غیر پر بوقت وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر تھے اور یہ سب یعنی امیر المومنین و ابو بکر و عمر و عثمان و اسامہ بن زید امراء مہاجرین میں سے ہیں جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے اور کسی پر پوشیدہ نہیں۔

ہاں بعض اہلسنت کے یہ تکلف جواب دینے والوں نے کہا ہے کہ اگرچہ سقیفہ

کے روز خلافت ابو بکر پر اجماع متحقق نہیں ہوا لیکن اُس وقت سے چھ مہینے کے بعد تحقیق ہوا اور سب لوگ راضی ہو گئے لہذا اجماع ہو گیا در انحالیکہ یہ بھی صحیح نہیں ہے اسلئے کہ امیر المومنین اور اُن کے اصحاب نے تو چھ مہینے کے بعد بھی بیعت نہیں کی اور اگر یہ بھی کر لیا جائے کہ حضرت نے ابو بکر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جیسا کہ بیعت کمرنوالے بیعت کرتے ہیں تو سعد بن عبادہ اور اُن کی اولاد نے نہ سمجھی اس خلافت سے اتفاق کیا اور نہ ابو بکر کی بیعت کی نہ عمر کی جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے اور اگر یہ سب مان بھی لیا جائے تب بھی ہم یہ کہیں گے کہ اجماع کی تعریف میں اس امر کا اعتبار کیا گیا ہے کہ تمام اہل کلمہ کسی ایک بات پر ایک وقت میں اتفاق کریں اس لئے کہ اگر ایک وقت میں ایسا نہ ہو تو اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ پہلے جو لوگ متفق تھے اب اُن کی رائے بدل گئی ہو لہذا خلافت ابو بکر پر ترجیحاً اجماع ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

بالجملہ اگر اہل سنت اس امر کا دعویٰ کریں کہ سب نے خلافت ابو بکر پر ایک ہی وقت میں اتفاق کر لیا تھا تو یہ بالاتفاق خلاف واقع ہے اور اگر یہ کہیں کہ نہیں بلکہ مختلف اوقات میں اتفاق کیا گیا ہے تو اس کا ثابت کرنا سخت دشوار ہے جیسا کہ معلوم ہوا ظاہر یہ معنوم ہوتا ہے کہ اس ناصبی کو اس دروغ بانی اور کتاب خدا و سنت پیغمبر و تاریخ پر کثرت سے افسر پردازی کرنے میں اس امر کا اطمینان تھا کہ یہ سیرى تصنیف علماء امامیہ اور دیگر اہل علم و بصیرت کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بعید نہیں ہے اسلئے کہ یہ کتاب اُس نے اُس وقت لکھی کہ جب وہ شاہ اسمعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر ماوراءالنہر میں شہر قاسان میں رہا جیسا کہ وہ خود اول میں اپنی کتاب کے لکھتا ہے اور اُس نے اپنی کتاب کو شاہ بیگ خاں والی بلا دما ورا النہر کے نام سے معنوں کیا تھا اور اپنے دل میں قرار دیا تھا کہ خوفِ ہلاک کی وجہ سے علماء امامیہ میں سے کوئی شخص وہاں نہ آئیگا (یعنی بلا دما ورا النہر میں) اور خود اہل ماوراءالنہر سے

کو دن ہیں کہ جن کو سوائے فقہ و اصول ابی حنیفہ اور تھوڑی سی ظاہری عربیت کے اور کچھ نہیں آتا ایک بھی اُن میں سے اسکی تیز نہیں کر سکتا کہ میں نے اس کتاب میں کیا جھوٹ کے پل باندھے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایسا ہی ہوا اور اس کا گمان ٹھیک اگر اُس خطا کار نے سچ کہا ہے اس لئے کہ میں نے خود اس منحوس کتاب کی پشت پر ماوراء النہر کے بعض قاضیوں کی چند سطریں لکھی ہوئی دیکھیں جس میں بے انتہا تصنیف اور مصنف کی بیج و ثنایں مبالغہ کیا گیا ہے۔

چوتھے اُس کا یہ ذکر کرنا کہ ابو بکر نے سقیفہ کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ تمام انصار نے سوائے سعد بن عبادہ کے بیعت نہیں کر لی چند وجوہ سے بالکل غلط ہے جیسا کہ کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں اُس کے مصنف ابن عبد البر کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے جہاں کہ اُنہوں نے ابو بکر کے ترجمہ میں کہا ہے کہ اُن کی خلافت کی بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں تو رہا لہذا اب کی وفات کے روز ہوئی اور بیعت عامہ اُس کے دو ستر روز یعنی ششہ کو ہوئی لیکن سعد بن عبادہ اور ایک گروہ خنزرج اور ایک فرقہ قریش نے بیعت نہیں کی اور نیز یہ جو اُس نے (یعنی ابن روز بہان نے) ذکر کیا ہے کہ سعد بن عبادہ ابو بکر کی خلافت کے ساتویں روز مر گئے یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ابن عبد البر اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اور ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں لکھا ہے ”سعد نے نہ تو ابو بکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی اور نہ یہ لوگ اُن کو مجبور ہی کر سکے جیسے اور لوگ مجبور کئے گئے تھے اس لئے کہ اُن کے اعزاء و اقربا بنی خنزرج میں بہت تھے لہذا اُن کے فتنہ سے بچنے کی غرض سے سعد مجبور نہیں کئے گئے۔“

جب حکومت اہل اسلام عمر کو ملی تو ایک روز سعد مدینہ کے بازار میں جا رہے تھے کہ عمر کی نظر اُن پر پڑ گئی عمر نے کہا کہ سعد یا تو ہماری بیعت میں داخل ہو یا مدینہ

سے نکل جاؤ تو سعد نے کہا کہ مجھ کو خود ایسے شہر میں رہنا حرام ہے جس کا تو امیر و حاکم ہو۔ اور اُس کے بعد ہی سعد بن عبادہ مدینہ سے شام چلے گئے۔

دمشق کے اطراف میں اُن کا بہت بڑا قبیلہ تھا تو وہ ایک ایک ہفتے ہر گروہ میں زندگی بسر کرتے تھے اُس زمانہ میں یہ ایک مرتبہ ایک گائوں سے دو سگ گائوں میں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بلغ تھا اُسکے پیچھے سے وہ تیر سے مارے گئے۔

اور صاحب روضۃ الصفا کے کلام کا حال یہ ہے کہ "سعد نے ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے شام کی طرف چلے گئے اور وہاں بعد مدت کے بعض بزرگوں کی تحریک سے قتل کر دیئے گئے۔"

بلاذری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے خالد بن ولید اور محمد بن مسلمہ انصاری سے ارشاد کیا تھا کہ سعد قتل کر دیئے جائیں چنانچہ اُن دونوں نے تیر مار کر اُن کو قتل کیا اور لوگوں کو یہ یاد رکھایا کہ جنوں نے سعد کو مار ڈالا ہے اور ایک شعر بھی جنوں کی طرف سے نظم کر کے مشہور کیا گیا تھا جس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے قبیلہ بنی خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا اور ایسے دو تیر مارے جو ٹھیک اُن کے قلب پر پڑے اور یہ سب عمر کی خاطر سے کیا گیا تھا۔

پانچویں وجہ بطلان کی یہ ہے کہ ابن روز بہان نے یہ جو کہا ہے کہ اگر انصار نے جناب رسالت مآب صلعم سے کوئی نص خلافت امیر المومنین علیہ السلام پر سنی تھی تو خلافت ابو بکر کے روز کیوں پیش نہ کی تو یہ قول بھی اُس کا کان دھرنے کے قابل نہیں ہے اسلئے کہ انصار نے ضرور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نص سنی تھی اور آپس میں اُس کا تذکرہ بھی کیا تھا لیکن اُس وقت اس وجہ سے پیش نہیں کی کہ ابو بکر کے دوستوں نے یہ شبہ ڈال دیا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے خلافت سے دست کشی کر لی ہے اور خانہ نشین ہو گئے ہیں چنانچہ تاریخ و سیر

کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ جب جناب رسالتؐ صلعم نے رحلت فرمائی تو حضرت
 امیر المومنین علیہ السلام مع اپنے اصحاب کے دکن جو بنی ہاشم وغیر بنی ہاشم پر شامل تھے
 آنحضرتؐ ص کی تجہیز و تکفین و مراسم تعزیت میں مشغول ہو گئے اور حضرت کو یہ خیال تھا
 کہ میری موجودگی میں کوئی شخص خلافت کی طمع نہ کرے گا لیکن بعض اُن لوگوں نے جو
 حضرت سے منحرف تھے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈال دیا تھا کہ حضرت کو
 چونکہ وفات جناب رسالتؐ کا بہت بڑا صدمہ ہوا لہذا وہ خلافت سے دستبردار
 ہو گئے اور خانہ نشینی اختیار کر لی ہے اور صرف حزن و ملال و مراسم تعزیت میں
 مشغول ہیں تو خرمیہ بن ثابت انصاری نے اگر اپنی قوم سے امیر المومنین کے متعلق
 جو کچھ سنا تھا وہ بیان کیا اور کہا کہ کسی کا خلیفہ ہونا ضروری ہے اور سوائے
 اُن کے کوئی قرشی اس کے لائق نہیں ہے۔ یہ سنکر انصار کو خوف ہوا کہ کہیں کوئی
 تند و سخت قرشی خلیفہ نہ ہو جائے جو بدر کے کینوں اور جاہلیت کے خونوں کا بلہ
 لے تو اور مصیبت ہو یہ خیال کر کے کل انصار سعد بن عبادہ (کہ جو انصار کے
 سردار تھے) کی طرف متوجہ ہوئے اور سیقفہ میں حاضر ہو کر اُن سے خواہش کی کہ
 وہ خلافت کو قبول کر لیں لیکن انھوں نے بسبب امیر المومنینؑ کے مرتبہ کے اور اس کے
 کہ وہ خدا اور رسولؐ کی طرف سے منصوب بخلافت ہیں انکار کیا جب قریش نے
 یہ سنا تو وہ تو موقع کے تاک ہی میں تھے گڑبڑ کر کے ابو بکر کی بیعت میں تعجیل کرنا
 شروع کی اور سیقفہ پہنچے تاکہ انصار کے ہنگامے کو روکیں اور انصار سے جبراً
 کہا ابو بکر کی بیعت لینا چاہی تو انصار نے کہا کہ جب تم نے خدا اور رسولؐ کی نص کو
 ترک کر دیا تو پھر امیر المومنین علیؑ کے بعد ہم تم برابر ہیں لہذا ایک ہم میں سے امیر ہوا
 ایک تم میں سے تو ابو بکر اور اُن کے ساتھیوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ حضرت
 رسالتؐ فرما گئے ہیں کہ امام قریش میں سے ہوں گے لہذا تم میں سے کوئی نہیں ہو سکتا

تو سعد نے بھی انکار کیا اور کہا جس شخص کی خلافت منصوص ہے وہ تمہارے علاوہ ہرگز
آب پھر اضطراب ہوا یہاں تک کہ بشر بن سعد بن ثعلبہ انصاری کا قلب اخیال
سے کہ اپنے چچازاد بھائی سعد بن عبادہ کو شکست دے قریش کو ترجیح دینے کی طرف
اور ان کی موافقت کی طرف مائل ہوا اس وجہ سے قریش کو تقویت ہوئی اور عمر نے
دوڑ کر ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اُس نے اور ایک جماعت نے جو مثل انہیں کے
تھی ناگہانی بیعت کرنی جیسا کہ خود بعد کو کہتے تھے کہ بیعت ابی بکر کانت فلتة دق
اللہ شرھا عن المسلمین محمد بن جریر طبری شافعی کتاب المواہب میں ابو علقمہ اور
سعد بن عبادہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابو علقمہ نے بیان کیا کہ جب لوگ
ابوبکر کی بیعت کی طرف مائل ہو چکے تو میں نے ابن عبادہ سے کہا کہ تم کیوں ایسی چیز
میں داخل نہیں ہوتے جس میں کہ تمام سلمان داخل ہو چکے ہیں (یعنی بیعت ابوبکر) تو
ابن عبادہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے خود در سالمتاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب
میں انتقال کر جاؤں اور لوگ اپنے پچھلے حالات کی طرف واپس جائیں اور خواہوں
میں گمراہی پیدا ہو تو اُس دن حق علیؑ کے ساتھ ہوگا اور کتاب خدا اُن کے ہاتھ میں ہوگی
لہذا اُن کے سوا کسی اور کی بیعت نہ کرنا تو میں نے اُن سے کہا کہ یہی اور نے بھی
اس خبر کو سنا ہے سوائے تمہارے تو کہا کہ لوگوں کے دلوں میں تو بغض دیکھنا بھرا ہوا
ہے میں نے کہا کہ شاید تمہارا نفس یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب تمہیں ملتا تو انھوں نے
قسم کھا کر کہا کہ میں نے کبھی اس کا قصد بھی نہیں کیا اور اگر لوگ علیؑ کی بیعت کرتے
تو پہلا بیعت کرنے والا سعد ہوتا ختم ہوا کلام طبری۔ اور علامہ حلی رحمہ اللہ نے شرح
دعائے صنمی قریش میں روایت کی ہے کہ ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ اور ان کے بھائی
سیفہ بنی سعدہ میں جمع ہو کر اپنی بیعت و حکومت کے خواستگار ہوئے بغیر اسکے
کہاں بیعت و بنی ہاشم کی کچھ بھی پرواہ کریں اور ان تینوں میں سے ہر ایک نے

لے حکومت چاہتا تھا اور اپنے ساتھی کی طرف پھیرنا چاہتا تھا تو انصار نے انکار کیا اور اسکے دفع کرنے میں اصرار کرتے ہوئے وہ احادیث پیش کیں جن میں آنحضرت نے امیر المومنین کی امامت پر تاکید فرمائی تھی مختلف مقامات پر اور ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت کو امیر المومنین کہہ کر سلام کیا کریں۔ ابو بکر نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن آنحضرت صلعم نے یہ فرما کر کہ ہم اہلبیت کو خدا نے منتخب کیا اور نبوت سے عزت بخشی اور ہمارے لئے دنیا پر راضی نہیں ہوا اور نہ ہمارے لئے نبوت خلافت کو جمع کر گیا اسکو نسخ کر دیا ابو بکر کے اس قول کی عمر اور ابو عبیدہ نے تصدیق کی اور حضرت امیر کے تجہیز و تکفین میں مشغول ہونے کی وجہ یہی بیان کی کہ وہ خود بھی انسی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ آنحضرت نے مجھ کو خلافت سے علیحدہ کر لیا ہے۔

تو انصار نے کہا کہ پھر ہم تو کسی اور کی امارت کو قبول نہ کریں گے لہذا ایک ہم میں سے امیر ہو اور ایک تم میں سے تب ان لوگوں نے یہ کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ آنحضرت صلعم فرما گئے ہیں کہ ائمہ قریش ہی میں سے ہوں گے۔ یہ گڑ بڑ کر کے انصار اور امت کو دھوکے میں ڈالا۔ بات اپنی لے لی۔ اب جب امیر المومنین اور ان کے ساتھی دفن و کفن سے آنحضرت کے فاتح ہوئے اور خلافت کے بارے میں گفتگو کی تو ان لوگوں نے کبھی تو یہ عذر کیا کہ لوگوں نے بیعت کر لی اور یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی اس کے خواستگار ہوں گے اور اب بیعت کے توڑنے سے ہمت سے مفاسد مسلمانوں میں پیدا ہوں گے اور ارکان دین میں خلل پڑے گا۔ اور کبھی یہ عذر کیا کہ ہم کو یہ گمان ہوا کہ آپ نے کثرت رنج و الم کی وجہ سے خلافت کو چھوڑ دیا ہے لہذا اصحاب رسول نے اس امر سے اتفاق کیا کہ ابو بکر خلیفہ کر دیے جائیں۔ اور اسی قسم کے پوچھ اور بچر عذر کئے جن کا ذکر آئندہ معہ جوابوں کے کیا جائے گا اور ان چیزوں میں سے کہ جو ان لوگوں کی رگ انکار کو توڑتی ہیں اور ان کے

پھر جانے کو ظاہر کرتی ہیں ایک وہ چیز ہے کہ جسکو ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ جو بڑے شیوخ اہل سنت میں سے ہیں اور جن کی بہت سی تصنیفات ہیں امامت ابو بکر وغیرہ میں وہ کتاب سیاست کے اُسی باب میں جس میں ابو بکر کی خلافت اور امیر المؤمنین کے انکار بیعت کو ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ مورخین نے ذکر کیا ہے اس امر کا کہ امیر المؤمنین جب لائے گئے ابو بکر کے پاس اور حضرت فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں تو حضرت سے کہا گیا کہ ابو بکر کی بیعت کریں حضرت نے فرمایا کہ میں خلافت کا تم سے زیادہ حقدار ہوں میں تمھاری بیعت نہ کروں گا بلکہ تم لوگوں کو میری بیعت کرنا چاہیے تم لوگوں نے انصار سے خلافت یہ کہنے یسلی کہ ہم لوگ ساقیہ کے قرابت دار ہیں اور ہم اہلبیت سے زبردستی غصب کرتے ہو تم لوگ وہی نہیں ہو جنھوں نے انصار کے مقابلہ میں یہ گمان کیا تھا کہ تم لوگ خلافت کے زیادہ مستحق ہو اس وجہ سے کہ تم کو رسالتِ آپ سے قرابت ہے اور انصار نے اسی وجہ سے تم کو موقع دیا اور خلافت تمھارے سپرد کر دی پس اب ہم تمھارے اوپر یہی حجت پیش کرتے ہیں کہ ہم سب سے زیادہ رسالتِ آپ کے ساتھ اولیٰ ہیں حیات و ممات میں پس تم کو چاہیے کہ ہمارے بارے میں انصاف کرو اگر اپنے نفسوں پر کچھ بھی تکوفا ہو فوراً نہ ظلم کرو اور تم جانتے ہو کہ اوس کا کیا نتیجہ ہے تو عمر نے کہا کہ جب تک آپ بیعت نہ کریں گے اوس وقت تک چھوٹ نہیں سکتے حضرت نے فرمایا تو اپنے فائدے کے لئے ابو بکر کی تائید کرتا ہے آج تو اوس کے لئے خلافت کو مستحکم کر رہا ہے تاکہ وہ کل مرتے وقت تم کو دے جائے۔ واللہ اے عمر میں تیری بات نہیں مانوں گا نہ ابو بکر کی بیعت کروں گا ابو بکر نے کہا کہ اگر آپ بیعت نہ کریں گے تو میں مجبور بھی نہ کروں گا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین خدا کا خوف کرو اور رسالتِ آپ کی سلطنت کو جو عرب پر ان کو حاصل تھی اُن کے گھر سے نکال کر اپنے گھر میں نہ لیجاؤ اور رسالتِ

کو جو مرتبہ اور حق لوگوں میں حاصل تھا اُس سے اُن کے اہلیت کو نہ گراؤ۔ خدا کی قسم ہم اہلیت زیادہ حقدار ہیں تم سے جب تک کہ ہم میں کتاب خدا کا پڑھنے والا اور دین خدا کا سمجھنے والا اور رسالتِ نبی کی سنتوں کا جاننے والا باقی رہے کوئی دوسرا حقدار نہیں ہو سکتا۔ حضرت کے اس کلام میں بہت سے شواہد شیعوں کے دعویٰ پر ہیں۔ پہلے یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں خلافت کا بہ نسبت تمہارے۔ دوسرے یہ فرمایا کہ تم لوگ خلافت کو ہم اہلیت سے غصب کرتے ہو۔ تیسرے یہ فرمایا کہ ہم اولیٰ ہیں رسالتِ نبی کے ساتھ حیات و ممات میں چوتھے یہ فرمایا کہ رسالتِ نبی کی اوس سلطنت کو جو عرب میں حضرت کو تھی اُن کے گھر سے نہ نکالو اور اُن کے اہلیت کو اُن کے مرتبہ اور حق سے نہ رو نہ کرو۔ ہم اہلیت تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ رسالتِ نبی کی خلافت کے ہم گروہ امامیہ تو اسکے قائل ہیں کہ حضرت نے یہ سب بالکل سچ فرمایا اور نواصب کیلئے لازم ہے کہ وہ حضرت کی تکذیب کریں کاش کہ میں یہ سمجھ سکتا کہ اُن کو اہلیت کی محبت کہاں ہے اور کس طرح وہ حضرت کی ان سب باتوں میں تکذیب کر سکتے ہیں۔ درانحالیکہ وہ حضرت اُن کے نزدیک بھی امام ہیں یا کس طرح اُنکو سچا سمجھ سکتے ہیں جس سے اُن کے پہلے خلیفہ کی تکذیب لازم آتی ہے اور ابن قتیبہ کس طرح جمع کر سکتا ہے اس حدیث کو اُس حدیث کے ساتھ جس کا منشا یہ ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جسکی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے جس کو چاہتا ہے خدا اپنے نور کی اُس کو ہدایت کرتا ہے اور وہ اپنے نور کو پورا کر لیا والا ہے اگرچہ کفار کو بُرا معلوم ہو (قول مستتر) یعنی ابن قتیبہ نے اپنی تاریخ میں واقعہ بیعت ابو بکر کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے بیعت سے انکار کیا اور اپنی حقیت کا اظہار کیا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ حضرت کے اس کلام مسخریان کو صحیح سمجھتا ہے یا نہیں اگر معاذ اللہ تکذیب کرے تو ایسے شخص کی تکذیب

کر گیا کہ جسکو ہم اور وہ دونوں امام مانتے ہیں اور اگر تصدیق کرے تو ابو بکر کی تکذیب ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب اس کلام کو حضرت کے مانتا ہے تو پھر وہ وضعی حدیث جس میں رسالتآب صلعم پر افترا کیا ہے کہ حضرت نے تمام اصحاب کو ہادی قرار دیا ہے کیسے صحیح ہو سکتی ہے) اور چھٹی وجہ بطلان کی یہ ہے کہ علماءِ سینہ نے آنحضرت صلعم کا یہ قول جو ذکر کیا ہے کہ الامۃ من قریش یہ صحیح ہے اور اسکی تائید کرتا ہے حضرت کا وہ قول جو صحیح حدیثوں میں ہے کہ اسلام اُس وقت تک معزز رہیگا جب تک کہ اُس میں بارہ خلیفہ گزریں گے جن میں کا ہر ایک قریشی ہوگا اور حضرت کی مراد پہلے قریشی خلیفہ سے امیر المومنین ہی تھے لیکن جب لوگوں کے دلوں میں یہ شبہہ ڈال دیا گیا کہ حضرت خلافت سے دست بردار ہو کر خانہ نشین ہو گئے جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں تو اس بات کو چھپا ڈالا اور کوئی دوسرا قریش خلیفہ بنایا جانا جائز کر لیا گیا۔ ساتویں وجہ بطلان کی یہ ہے کہ ابنِ روضہ بیان کا یہ کہنا کہ انصار نے کیوں نہ کہا کہ امامت علیؑ کے رسالتآب کی نص ثابت ہے دلائل سابقہ سے رد کیا جا چکا ہے اور عنقریب ہم یہ ذکر کریں گے کہ انصار نے یہ کہا تھا لیکن امیر المومنین کی دست برداری بیان کر کے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہہ ڈال دیا گیا اور باوجود اسکے پھر بھی بعض اہل سقیفہ نے اصرار کیا اور ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور یہ کہا کہ ہم سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے دینا المحدثین نے روضۃ الاجاب میں اسکی تصریح کر دی ہے ہمارے اس تقریر سے جو ابنِ روضہ بیان نے انصار کا سکوت آخر میں ثابت کیا تھا وہ بھی باطل ہو گیا۔

آٹھویں وجہ بطلان کی یہ ہے کہ ابنِ روضہ بیان کا یہ کہنا کہ مصنف رحم نے جو چیزیں اشاعرہ کے لئے ذکر کی ہیں اُن میں سے ایک بھی اُن پر لازم نہیں آتی اس حیثیت سے تو ٹھیک ہے کہ اشاعرہ تصریحاً اُن چیزوں کے قائل نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق خداوند عالم ہے لہذا جو کچھ بھی مصنف رحم نے بیان کیا

ہے وہ سب اُن پر لازم آتا ہے۔

مکملہ علامہ عیسیٰ علیہ السلام

جو تھی بحث امام کے معین کرنے میں ہے شیعہ امامیہ تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کے بعد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام امام تھے اور سنی کہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر و عثمان کے بعد حضرت خلیفہ ہوئے حالانکہ یہ دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں کے خلاف ہے وہ دلائل عقلیہ کہ جو امیر المؤمنین کی امامت پر دلالت کرتی ہیں اُن میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ امام معصوم ہونا چاہئے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اور یہ اجماع سے ثابت ہے کہ سوا علیؑ کے خلفاء ثلاثہ میں سے کوئی بھی معصوم نہ تھا لہذا وہی حضرت امام تھے **دوسرے** یہ کہ منجملہ شرائط امامت یہ بھی ہے کہ اُس سے پہلے کوئی معصیت نہ سرزد ہوئی ہو اور شیوخ ثلاثہ قبل اسلام تبوں کو پوجتے تھے لہذا وہ امام نہیں ہو سکتے اور امیر المؤمنین امام تھے۔ **تیسرے** یہ کہ امام کو منصوص ہونا چاہئے اور سوار حضرت کے ان میں سے کوئی بھی منصوص نہ تھا لہذا حضرت امام تھے چوتھے یہ کہ امام کو رعیت افضل ہونا چاہئے اور یہ وصف بھی حضرت کے سوا ان میں سے کسی میں نہ تھا لہذا حضرت ہی امام تھے۔ **پانچویں** یہ کہ امامت ریاست عامہ ہے اُس کے لئے اوصاف زہد و علم و عبادت و شجاعت و ایمان کی ضرورت ہے اور عنقریب ہم یہ تفصیلاً بیان کریں گے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام میں یہ تمام اوصاف بدرجہ کمال جمع تھے اور سوار آنحضرت کے اور کسی میں نہ تھے لہذا حضرت ہی امام تھے۔

قول ابن روز بہان

میں کہتا ہوں کہ اہلسنت و جماعت کلیہ مذہب ہے کہ امام حق رسالت و صلعم کے بعد

ابو بکر صدیق ہیں اور شیعوں کے نزدیک علی مرتضیٰ ہیں۔ اہلسنت کی دلیل دو وجہوں سے ہے اول یہ کہ طریقہ ثبوت امامت کا یا تو نص ہے یا اجماع کے ساتھ امت کا بیعت کر لینا لیکن نص کا تو وجود ہی نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور آئندہ پھر تفصیل سے ذکر کریں گے اب رہا اجماع تو وہ ابو بکر پر امت سے بالاتفاق کر لیا تھا اور کسی پر نہیں کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو بکر و علی و عباس میں سے ایک کی حقیقت امامت پر اجماع منعقد ہوا اور ان دونوں نے ابو بکر سے کوئی منازعت نہیں کی اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابو بکر حق پر تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دونوں ضرور نزاع کرتے جیسا کہ علیؑ نے معاویہ سے کیا اسلئے کہ عادیہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے مقام پر اگر باوجود قدرت و امکان کے نزاع نہ کی جائے تو خلاف عصمت ہے اس لئے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے جو خلاف عصمت ہے اور تم لوگ (یعنی شیعوں) عصمت کو شرط صحت امامت اور امام کے لئے واجب جانتے ہو پس اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں کو ابو بکر سے لڑنے کا امکان نہ تھا تو ہم یہ کہیں گے کہ تم تو اس کو تسلیم کئے ہو ہو کہ علیؑ ابو بکر سے زیادہ شجاع و بہادر تھے اور دین میں ابو بکر سے زیادہ سخت تھے ان کا قبیلہ اور مددگار بھی زیادہ تھے۔ نسب و حسب میں بھی اشرف تھے۔ اور جس نص کا تم لوگ دعویٰ کرتے ہو وہ بھی لا بذلوگوں کے سامنے ہوئی ہوگی۔ تو انصار کبھی ابو بکر کو علیؑ پر ترجیح نہ دیتے اور رسالتِ صلعم آخر عمر میں بالائے ممبر فرمائے تھے کہ میرے انصار میرے راز دار و معتمد ہیں اور وہ تعداد میں غالب مثل لشکر کے تھے تو رسالتِ صلعم کو لازم تھا کہ انصار کو وصیت کر جاتے کہ امر خلافت میں علیؑ کی امداد کرنا اور میرے نص کی جو مخالفت کریں ان سے لڑنا اور پھر فاطمہ زہرا (صلوات اللہ علیہا) بایں علوم مرتبت علیؑ کی زوجہ تھیں اور حسنین (سلام اللہ علیہما) رسول اللہ کے نواسے ان کے لڑکے تھے۔ اور عباس با بزرگی و علوم مرتبت یعنی قرابت رسول ان کے ساتھ تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ عباس نے علیؑ سے کہا اپنا ہاتھ پھیلاؤ تو میں تمہاری بیعت کر لوں تاکہ لوگوں

کو یہ کہنے کو ہو کہ رسول اللہ کے چچا نے اُن کے بھتیجے اور داماد کی بیعت کر لی ہے تو پھر دو آدمی بھی تمہارے بارے میں اختلاف نہ کریں گے اور زبیر سا شجاع بھی اُن کے ساتھ تھا کہا جاتا ہے کہ زبیر نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہا کہ میں ابوبکر کی خلافت پر ہرگز راضی نہیں ہوں اور ابوسفیان نے کہا کہ اے بنی عبد مناف کیا تم اس امر پر راضی ہو گئے کہ ایک قبیلہ بنی تیم کا آدمی تم پر حکمرانی کرے قسم بخدا کہ میں میدان مدینہ کو لشکر کے سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ اور انصار نے خلافت ابوبکر کو ناپسند کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

تو اگر امامت علیؑ پر کوئی انصاف جلی ہوتی تو ضرور اُس کو یہ لوگ ظاہر کرتے اور ضرور اُن لوگوں کو لڑنے کا امکان تھا۔ اور یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ لڑنے کا امکان نہ تھا حالانکہ اُن کے نزدیک ابوبکر ایک کمزور اور مفلس بزدل بوڑھا تھا کہ جس کے پاس نہ آدمی تھے نہ شان و شوکت۔ ایسی حالت میں کیونکر مان لیا جائے کہ اُس سے لڑنے کا امکان نہ تھا لہذا ان سب امور سے بھی معلوم ہوا کہ خلافت ابوبکر پر اجماع ہو چکا تھا اور کسی اور کی خلافت پر نص موجود نہ تھی اور خود علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اسلئے کہ انھوں نے ابوبکر کو خلافت کے قابل عاقل صابر با اخلاق سن رسیدہ اسلام کے لئے مفید پایا اور صحابہ کو کوئی ذاتی غرض سلطنت و ریاست کی نہ تھی بلکہ اُن کی غرض تو یہ تھی کہ حق قائم اور دین مستقیم ہو جائے تاکہ لوگ دین اسلام میں داخل ہوں یہ غرض ابوبکر کے خلیفہ ہونے سے حاصل ہوتی تھی لہذا یہ کام اسی کے سپرد کر دیا اور خود سب معین و مددگار رہے۔ پچا مذہب اور صفات حق یہی ہے جس پر امت کی بڑی تعداد ہو اور رسالتا بے فراپے چکے ہیں کہ کثرت اور بڑی تعداد کی پابندی کرنا لازم ہے۔ اب ہا یہ کہ علیؑ کی خلافت پر دلائل عقلیہ جو قائم کی گئی ہیں جن میں سے پہلی یہ ہے کہ امام کو معصوم ہونا چاہیے تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام کے لئے نصحت ضروری نہیں ہے نہ عقلاً

نہ شرعاً اور دوسرا جواب بھی ذکر کر چکے ہیں کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ امام سے پہلے کوئی گناہ نہ سرزد ہوا ہو۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ نص کا ہونا بھی واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اجماع بھی مثل نص کے ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ امام کو رعیت سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں ہے جیسا کہ ثبوت افضلیت علی کے بیان میں ذکر ہوا ہے پانچواں جواب یہ ہے کہ زہد و علم و عبادت و شجاعت و ایمان یہ سب چیزیں خلفائ ثلاثہ میں موجود تھیں۔ اب رہا یہ امر کہ ان سب صفات میں اکمل ہو تو یہ لازم نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہ لوگ اسلام کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے۔

جواب سبب ہدایت علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ ابن روز بہان کے اس کلام پر جتنے ایراد ہو سکتے ہیں سب کا تو ذکر نہیں ہو سکتا لیکن چند ذکر کئے جاتے ہیں اول یہ کہ اس کا نص سے انکار کرنا بالکل باطل ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور آئندہ پھر انشاء اللہ تفصیل سے ذکر کریں گے دوسرے یہ کہ خلافت ابو بکر پر اجماع ہرگز نہیں ہوا بلکہ اجماع نہ ہونا ثابت اور محقق ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور یہاں بھی بعض اپنے علماء کے افادات کا ملخص بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ منہاج بیضاوی اور مختصر ابن حاجب اور اس کی شرحوں میں اجماع کی تعریف یہ کی ہے کہ اجماع کے معنی یہ ہیں کہ تمام اہل حل و عقد یعنی مجتہدین و علماء مسلمین کا کسی ایک امر پر اتفاق کرنا ایک ہی وقت میں اور علماء اہلسنت کو اجماع کے ثابت ہونے میں اور اس کے شرائط کے پائے جانے میں خود ہی کلام ہے۔ جیسا کہ شرح عضدی وغیرہ میں ہے کہ آیا اجماع ممکن بھی ہے یا محال ہے اور بفرص امکان وہ کبھی واقع بھی ہوا یا نہیں۔ اور اگر یہ بھی مان لیں تو آیا وہ کسی چیز کی دلیل و حجت ہے یا نہیں اگر اس کا دلیل ہونا بھی مان لیں

تو آیا وہ بغیر اسکے کہ تو اتر سے ثابت ہوا ہو دلیل ہو سکتا ہے۔ یا بغیر حد تو اتر کو پہنچے ہوئے نہیں ہو سکتا ان سب مندرجہ بالا امور میں اختلاف ہے۔ علمائے اہلسنت میں تو اہلسنت پہلے ان امور کو طے کر لیں تب خلافت ابو بکر کو ثابت کریں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان کے علماء میں سے وہ لوگ کہ جو اجماع کے قائل نہیں ہیں وہ کیسے ابو بکر کی خلافت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ثابت کرنا چاہتے ہیں ان سب مراحل کے بعد اور بھی اختلاف ہے وہ یہ کہ آیا اجماع کی حقیقت میں یہ بھی شرط ہے کہ اجماع اگر دالوں میں سے کوئی شخص اُسکے خلاف رائے ظاہر نہ کرے یہاں تک کہ سب مرجائیں یا نہیں۔ اور اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اجماع خود تنہا حجت ہے یا اُسکے لئے سند کی بھی ضرورت ہے کہ جو دراصل حجت ہو۔ اب خلافت ابو بکر پر جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے اُس کی سند جو ذکر کی گئی ہے وہ قیاس فقہی ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ رسالت مآب صلعم نے اپنے مرض کی حالت میں ابو بکر کو حکم دیا کہ وہ نماز جماعت پڑھائیں۔ تو جب ایک امر دین میں اُنھوں نے ابو بکر کو امام کر دیا تو امر دنیا میں ابو بکر کی امامت اور بھی زیادہ پسند کرتے ہوئے اور یہی خلافت ہے تو معلوم ہوا کہ خلافت کو امامت جماعت پر قیاس کیا گیا اور اسی کو اجماع کرنے کے لئے سند قرار دے لیا۔ اور اسی مطلب کا شرح تجرید و موافق و طوابع اور صابونی کی کفایہ و ابن حجر عسقلانی شافعی کی صواعق محرقة اور احمد جندی حنفی کے ایک عقائد کے فارسی رسالہ وغیرہ میں ملتی جلتی عبارتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ جن کا حاصل یہی ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے حالت مرض میں ابو بکر کو حکم دیا کہ وہ امام جماعت کی حیثیت سے نماز پڑھائیں تو جبکہ حضرت نے اُن کو امر دین میں امام قرار دیا اور راضی رہے تو امور دنیا میں اُن کا امام ہونا تو اور بھی زیادہ حضرت کو پسند ہو گا یہی خلافت ہے۔ اہلسنت نے اسی کو سند قرار دیا ہے جیسا کہ شرح تجرید سے ظاہر ہوتا ہے اور صاحب کفایہ نے تصریح کی ہے۔

یہ مشہور ترین عبارت تھی جس کا ہم نے ذکر کیا۔ جس شخص کو فی الجملہ بھی علم اصول
 مس ہوگا اُس کے نزدیک اس کلام کا بطلان پوشیدہ نہیں رہ سکتا اس لئے کہ قیاس کے
 حجت ہونے کو ثابت کرنا سخت دشوار ہے۔ علماء اہلسنت و اہلسنت میں سے فرقہ ظاہریہ
 اور جمہور معتزلہ اس امر کے قائل ہیں کہ قیاس حجت نہیں ہے۔ اور وہ لوگ اپنے اس قول
 پر بہت سی عقلی و نقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض مسائل اصول فقہ کے محض
 قیاس میں ذکر کی جائیگی۔ اور ان کے علاوہ اور فرقوں کے علماء بھی قیاس کے اقسام و
 شرائط میں کثرت سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور اگر باوجود حجیت قیاس کے نامکن ہونے
 کے بالفرض مان بھی لی جائے تو قیاس اُس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اصل میں کوئی علت
 ہو اور فرع میں بھی وہی علت پائی جائے اور یہاں علت مفقود ہے بلکہ فرق موجود
 ہے اس لئے کہ علماء اہلسنت کے نزدیک نماز کو ہر اچھے بُرے کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں
 .خلاف خلافت کے کیونکہ خلیفہ کے لئے عدالت و شجاعت و قریشیت وغیرہ کی شرط ہے
 اور امامت جماعت کے لئے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نیز امامت جماعت
 ایک ایسا امر ہے کہ جس میں زیادہ علم و شجاعت و تدبیر اور ان چیزوں کی ضرورت نہیں
 ہے جن کی کہ اُن کے نزدیک خلافت میں ضرورت ہے پس جبکہ سلطنت و حکومت
 جمیع امور دین و دنیا میں علوم و شرائط کثیرہ کی طرف محتاج ہوئے اور ابوبکر وغیرہ میں یہ
 صفات نہ تھے تاکہ امامت جماعت پر قیاس کر کے خلافت بھی اُن کے لئے جائز قرار دے
 دی جائے اور بعض اہلسنت نے یہ جو کہا ہے کہ نماز ایک دینی کام ہے اور خلافت امور
 دنیا میں سے ہے یہ بالکل غلط ہے ایسے کہ محققین نے (مثل شارح تجرید وغیرہ) خلافت کی تعریف
 میں بیان کیا ہے کہ وہ حکومت عامہ ہے امور دین و دنیا میں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا ہی ہے
 باوجود اسکے کہ اصل (یعنی رسالت) کا ابوبکر کو امام جماعت مقرر کرنا ہی ثابت نہیں ہے
 اس لئے کہ اہل تشیع اس سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جناب

رساتما تب صلعم نے حالت مرض میں لوگوں کو نماز کا حکم دیا۔ عائشہ نے کہہ دیا کہ آنحضرت صلعم
 نے حکم دیا ہے کہ ابو بکر نماز جماعت پڑھائیں جب آنحضرت کو یہ معلوم ہوا کہ ایسی فتنہ انگیز
 چال چلی آگئی ہے تو آنحضرت اسی مرض کی حالت میں اوٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ہاتھ
 امیر المومنین کے شانہ پر اور ایک عباس کے شانہ پر رکھ کر مسجد میں تشریف لائے اور ابو بکر
 کو محراب سے ہٹا کر خود نماز پڑھائی تاکہ ابو بکر کے نماز پڑھانے سے دین میں کوئی بخلل نہ پڑ جائے
 اسکی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوئی چنانچہ وہ عروہ کی سند سے اس واقعہ کی
 روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف پائی تو محراب
 میں تشریف لائے اور ابو بکر آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھنے لگے اور اور لوگ ابو بکر کی نماز
 سے نماز پڑھے لگے تھے یعنی ابو بکر کی بکبری میں۔ اور اسی بنا پر یہ شریف جرجانی نے اہل
 سنت کو خوب ریش خند کیا ہے شرح مواقف میں چنانچہ انھوں نے اس روایت کو ذکر
 کر کے جب یہ دیکھا کہ یہ تو اُس وضعی روایت کے بھی خلاف ہے جس میں لوگوں کا ابو بکر کے
 پیچھے نماز پڑھنے کا حال ہے چو جائیکہ وہ روایت کہ جس میں خود رساتما تب کے اقتدار کرتے کا
 ذکر ہے تو کہا کہ یہ کسی دوسرے وقت کا ذکر ہے۔ اس میں جو کچھ اعتراض ہے وہ ظاہر ہے
 دینا اگر ابو بکر سے نماز پڑھانے والی خبر صحیح تھی اور ابو بکر کی امامت پر دلالت بھی کرتی تھی
 تو پھر تو یہ رساتما تب کی نص ہوئی اُن کی امامت پر اور جب نص موجود تھی تو ابو بکر اور اُن کے
 ساتھیوں نے سقیفہ میں اس نص کو ابو بکر کی امامت کی دلیل میں کیوں نہ پیش کیا اور انصافاً
 کے مقابلہ میں کیوں اس نص سے احتجاج نہ کیا اور کیوں خلافت کو بیعت پر مبنی قرار دیا
 جس میں کہ اتنا اختلاف ہوا کہ تلواریں کھینچنے تک کی نوبت آگئی اور اُسکے پیش کرنے سے
 پہلو ہتی کی۔ حالانکہ یہ امظاہر ہے کہ کوئی عقلمند اسکو گوارا نہ کرے گا کہ جب سہل اور آسان طر
 ایکلام کا موجود ہو تو اسکو چھوڑ کر سخت اور مشکل طریقہ اختیار کرے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس خبر
 میں کوئی قابلیت دلیل ہونے کی نہیں ہے۔ علاوہ اسکے ظاہر ہے کہ امامت اصول میں

سے ہے اسی وجہ سے اصول میں ذکر کی گئی اور اس باب میں مفصل کلام ذکر ہو چکا ہے۔ لہذا اگر قیاس کا جائز ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی امامت کو قیاس سے ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں کہ قیاس فروع میں ہوتا ہے نہ کہ اصول میں۔ اور حنفی موافق نے یہ جو کہا ہے کہ امامت اصول میں نہیں ہے اس قول کا بطلان بالکل ظاہر ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امامت سی چیز اصول میں داخل نہ ہو حالانکہ وہ نبوت کے برابر ہے جیسا کہ بیان کر چکے۔ اگر کسی مجتہد کا گمان مسئلہ امامت میں کافی ہو جیسا کہ فقہ کے دیگر فروعی مسائل میں ہوتا ہے تو پھر ایسے مجتہد کی تقلید جائز ہوگی جو ابو بکر کی امامت کو ناجائز سمجھتا ہو اور اس کو خطا کا رکھتا باطل ہوگا۔ حالانکہ اگر اہلسنت میں سے کوئی مجتہد یہ کہے کہ میں امیر المومنین کی امامت کا معتقد ہوں اسلئے کہ میرا گمان غالب یہی ہے کہ حضرت امام تھے یا ایسے مجتہد کی تقلید کوئی کرے تو اس کو خطا کا رکھتے ہیں بلکہ قتل کر دیتے ہیں۔ علاوہ بریں نمازیں کسی کو قائم مقام بنا دینے کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ ہمیشہ کے لئے قائم مقام ہے جملہ امور میں حالانکہ عزل نماز سے ثابت ہے بفرض وقوع جیسا کہ مذکور ہوا دنیا اسکے معارض امیر المومنین علیہ السلام کی قائم مقامی ہے جیکہ اُن کو رسالت مآب صلعم جنگ تبوک کے موقع پر تشریف لے جاتے ہو مدینہ میں اپنا قائم مقام کر کے چھوڑ گئے تھے اور پھر حضرت کو معزول بھی نہیں کیا تھا اور جبکہ حضرت مدینہ میں رسالت مآب کے خلیفہ تھے تو تمام امور امت کے تھے اسلئے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ حضرت صرف کسی خاص کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے لہذا یہ قائم مقامی اُس سے بدرجہا زیادہ موثر ہے اور پھر دوسرا مرجع ہمارے لئے یہ ہے کہ امیر المومنین کو مدینہ پر قائم مقام کرنا امامت کبریٰ سے زیادہ قریب ہے اسلئے کہ اس قائم مقامی میں امور دین و دنیا دونوں شریک تھے بخلاف اس کے کہ صرف نمازیں کسی کو قائم مقام کیا جائے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ اور اگر ہم ان سب کو مان بھی لیں تو یہ کہیں گے کہ تمام امت کا اجماع خلافت ابو بکر پر ایک وقت میں ثابت نہیں ہوتا اور یہ بالکل واضح ہے اگرچہ ہم اہلبیت علیہم السلام

اور سردار انصار سعد بن عبادہ اور ان کی اولاد و اصحاب وغیرہ کی بیعت نہ کرنے سے قطع نظر بھی کر لیں لہذا صاحب مواقف نے ابوبکر کی خلافت کو اجماع سے ثابت ہونے کے دعوے سے اعراض کیا ہے اور صرف بیعت سے اس کو ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ سابق میں اس کا ذکر ہو چکا ہے حاصل یہ ہے کہ اگر ابن روز بہان اور اس کے ساتھیوں کی وقوع اجماع سے یہ مراد ہو کہ بعد وفات سرور کائنات فوراً ابوبکر کی خلافت پر سب نے اتفاق کر لیا تھا یا تھوڑے سے زمانہ میں تو اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے بالاتفاق اور اگر یہ مراد ہو کہ ایک مدت کے بعد سب نے اتفاق کر لیا تھا تو یہ باوجود اس امر کے کہ ممنوع ہے اور مخالف ہے شرط اتحاد وقت کے جیسا کہ حقیقت اجماع میں اعتبار کیا گیا ہے حجت نہیں ہو سکتا مگر بشرطیکہ اور باقی لوگ خوشی سے اجماع میں داخل ہوئے ہوں لیکن اگر بہت سے لوگوں نے اتفاق کر لیا ہے اور کچھ لوگ جو قلباً (دل سے) اس امر پر راضی نہیں مگر خوف کی وجہ سے وہ جبراً و قہراً اجماع میں داخل ہو جائیں تو حجت نہیں ہو سکتا اور اس میں شک نہیں کہ واقعہ ایسا ہی ہے اسلئے کہ بنی ہاشم نے پہلے بیعت نہیں کی تھی پھر حب ان پر زبردستی کی گئی تو چھ مہینہ کے بعد انہوں نے بیعت کی اور امیر المومنین نے بھی بیعت نہیں کی بلکہ خاندن نشین ہو گئے حتیٰ کہ جمعہ و جماعت میں بھی حشرت نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ وہ واقعہ گزرا کہ جس کو تمام اہل اجبار و احایث نے نقل کیا ہے اور مثل روز روٹن کے ظاہر و مشہور ہے یہاں تک کہ معاویہ نے حضرت کو ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ تو بیعت کے لئے اس طرح کھینچے جاتے تھے جیسے (بلاشبہ) اونٹ نیکل ڈالکر کھینچا جاتا ہے اس کلام میں اپنے وہ حضرت کی تشیع کرتا ہے کہ حضرت بیعت نہیں کی یہاں تک کہ مجبور کئے گئے اور زبردستی کی گئی مثل اس اونٹ کے کہ چوپاں پر سے عبور نہ کرتا ہوا در مجبور کیا جائے اور نیزہ چھو یا جائے تاکہ وہ بل پر سے گزرنے لگے

تو حضرت نے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ سے خطاب کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ تو نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ”میں بیعت کے لئے اسطرح کھینچا جاتا تھا جس طرح اڈنٹ کھینچا جاتا ہے قسم بخدا تو نے ارادہ کیا تھا کہ اس فقرہ سے تو میری مذمت کرے مگر وہ میری مدح ہو گئی اور تو چاہتا تھا کہ نجکو رسوا کرے مگر تو خود رسوا ہو گیا۔ مسلم کے مظلوم ہونے میں کوئی توہین نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے دین میں شک اور اپنے یقین میں شبہ نہ کرتا ہو اور یہ حجت میری تیرے غیر کے لئے (یعنی ابوبکر کے لئے) اس سے زیادہ واضح طور پر اس مطلب کو حضرت نے خطبہ شمشیمہ میں ارشاد فرمایا ہے اور یہ وہ مشہور خطبہ ہے کہ جس کو حضرت نے اُس وقت ارشاد فرمایا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت کی بیعت کرنی ہے عنقریب مصنف علیہ الرحمہ اس کا ذکر کریں گے ابن ابی الحدید معتزلی نے تشریح پنج البلاغہ میں فضائل عمر کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عمر ہی وہ شخص تھا کہ جس نے کار خلافت کو ابوبکر کے لئے درست کیا اور اس کام میں یہاں تک مقام کی کہ مقدمہ کو سینہ پر ہاتھ مار کر ڈھکیل دیا اور نہیر کی تلوار کو توڑ ڈالا جس کو زیر کرنے کھینچ لیا اس سے معلوم ہوا کہ کتنی زبردستی کی گئی تھی۔ اس سے زیادہ جو چیز اس امر کو ایسا ثابت کر دیتی ہے کہ پھر دشمن کو انکار کا موقع ہی نہیں رہتا وہ حمیدی کی وہ روایت ہے کہ جبکو اُس نے صحیح بخاری و مسلم سے نقل کیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ جناب سالٹ کی وفات کے بعد جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا صرف چھ مہینے تک زندہ رہیں اُس کے بعد انتقال فرما گئیں۔ حالانکہ کہتی ہیں کہ جب تک فاطمہ زندہ رہیں اُس وقت تک لوگوں کی نظروں میں علیؑ کی وجاہت تھی جب فاطمہ نے انتقال کیا تو لوگوں نے علیؑ سے روگردانی کر لی اور جامع الاصول میں اسی مضمون کے بعد یہ ہے کہ فاطمہؑ سجناب

رسالت آپ کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اُس کے بعد انتقال کیا جب علیؑ نے یہ دیکھا کہ لوگوں نے میری طرف سے روگردانی کر لی ہے تو وہ ابو بکر سے مصالحت کرنے پر مجبور ہوئے اور کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس آؤ مگر کسی اور کو اپنے ہمراہ نہ لانا یعنی عمر کے آنے کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ علیؑ کو عمر کی شدت معلوم تھی۔ عمر نے کہا کہ تم تنہا نہ جانا ابو بکر نے جواب دیا کہ قسم بخدا میں تنہا ہی جاؤں گا وہ میرا کیا کر سکتے ہیں چنانچہ ابو بکر گئے تو علیؑ کے پاس بنی ہاشم جمع تھے الخ اس روایت میں ہمارے دعوے پر بہت سے طریقوں سے استدلال ہوتا ہے جیسا کہ ہر غور کرنے والے پر ظاہر ہو سکتا ہے۔

۱۔ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ عمر ایک گروہ کو لیکر جن میں اسید بن حصین اور سلم بن اسلم اشہلی بھی تھے امیر المومنین کے مکان پر آئے اور کہا کہ نکلو ورنہ ہم گھر میں آگ لگا دیں گے اور ابن خزاعہ نے کتاب غزوات میں ذکر کیا ہے کہ زید بن اسلم نے بیان کیا کہ میں اُن لوگوں میں تھا کہ جو عمر کے ساتھ لکڑیاں لیکر فاطمہؑ کے گھر جلائے گئے تھے جبکہ علیؑ اور اُن کے ہمراہیوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ عمر نے فاطمہؑ سے کہا کہ تم گھر سے نکالو ورنہ میں گھر کو اور جو لوگ گھر میں ہوں گے اُن کو بھی جلا دوں گا (راوی کہتا ہے کہ اُس وقت اُس گھر میں علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور بعض رسول اللہؐ کے اصحاب موجود تھے) فاطمہؑ نے کہا کہ میرے بچوں کو گھر میں جلا دو گے عمر نے کہا کہ ہاں خدا کی قسم میں یہی کروں گا ورنہ ٹھکڑ بیوت کہیں صرف یہی روایت زبردستی و ظلم ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کتاب الملل والنحل کے مصنف نے بھی نظام سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون قریب قریب ایسا ہی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علم میزان (یعنی منطق) میں یہ امر طے ہے کہ اگر استدلال میں احتمال پیدا ہو جائے تو وہ استدلال باطل ہو جاتا ہے اور اس ناقص اجماع میں زبردستی کا احتمال بلکہ یقین پیدا ہو گیا ہے لہذا

اس اجماع سے استدلال نہیں ہو سکتا اور آپ کیا گمان کر سکتے ہیں اس امر کے بارہ میں کہ جس میں مہاجرین کو سینوں پر ہاتھ مار مار کر ڈھکیلا گیا ہو جس میں اُن کی تلواریں توڑ کر پھینک دی گئی ہوں اور جس میں مسلمانوں کے سروں پر تلواریں کھینچی گئی ہوں جس میں اہلبیت علیہم السلام کو گھر کے اندر جلا کر مار ڈالنے کا قصد کیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایسی مجبوری سے جو امر واقع ہوا وہ رضا و رغبت سے سمجھا جائے گا۔ اور کون ایسا ہے کہ جو اسکو اجارہ و اکراہ نہ کہے گا اگر اُس کا دل اندھا نہیں ہے۔

اور تیسری وجہ اسکے باطل ہونے کی یہ ہے کہ اجماع ثلاثی بھی (یعنی علیؑ اور عباسؑ و ابوبکرؓ میں سے کسی ایک کے خلیفہ ہونے پر اجماع ہے) مثل مسئلہ ثلث کے باطل ہو جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا کہ آیت اونی الارحام نص ہے عباسؑ و ابوبکرؓ کی خلافت کے باطل ہونے پر اور علاوہ اسکے یہ ہے کہ عباسؑ کی خلافت والا قول تو جدید ہے اسلئے کہ اس کا موجد جاحظؒ ہے خلافت نبیؐ عباسؑ کے زمانہ میں اُس نے تقرب حاصل کرنے کے لئے یہ قول ایجاد کیا تھا جس کو ہر وہ شخص کہ جسے فی الجملہ بھی احادیث و اخبار میں بصیر ہو جانتا ہے۔

چوتھے ابنِ روز بہان کا یہ کہنا کہ علیؑ و عباسؑ نے ابوبکرؓ سے خلافت کے بارے میں کوئی منازعت نہیں کی بالکل غلط ہے اسلئے کہ اسی وقت سے نزاع کی ابتدا ہوئی اور اسکو ہم بہت تفصیل سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

پانچویں یہ کہنا کہ ایسے امور میں باوجود امکان کے منازعت نہ کرنا عصمت میں مخل ہے صحیح ہے لیکن اوس وقت امیر المومنین کے لئے اُن لوگوں سے جنگ کرنے کا محل ہی نہ تھا اسلئے کہ تمام قریش ابوبکرؓ کے ساتھ تھے اور بہت سے انصار کو بھی اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔

چھٹے یہ کہنا کہ ایسے وقت میں ترک منازعت گناہ کبیرہ ہے کہ جو عصمت میں رخنہ ڈالتا

ہے یہ خود اسکے قول کے منافی ہے اسلئے کہ وہ شرائط امامت کے ذکر میں کہہ چکا ہے
 کہ گناہ کا صادر ہونا ملکہ عصمت میں محفل نہیں ہے (بج ہے دروغ و گورا حافظہ نباشد مترجم
 ساتویں اوس کا یہ کہنا کہ تم لوگ اسکے قائل ہو کہ علیؑ ابو بکر سے زیادہ شجاع اور مہم
 دین میں زیادہ سخت تھے اور قبیلہ بھی اون کا ابو بکر کے قبیلہ سے بڑا تھا اس کا جواب
 یہ ہے کہ امیر المومنینؑ یقیناً ابو بکر سے اور فرداً فرداً دنیا کے تمام شجاعوں سے زیادہ شجاع
 تھے لیکن یہ لازم نہ تھا کہ دنیا کے تمام لوگ ایک طرف ہو کہ حضرت سے مقابل ہوں
 اور حضرت سب کا تنہا مقابلہ کریں ایسے موقع پر جنگ ترک کر دینا محفل شجاعت و عصمت
 نہیں ہو سکتا ورنہ جناب رسالتؐ صلعم کی عصمت بھی باقی نہیں رہتی۔ اسلئے کہ حضرت
 نے اول امر میں تمام کفار کو کیوں قتل نہ کر دیا اور حدیبیہ میں کیوں کفار سے صلح کر لی۔
 حالانکہ اوس وقت تو حضرت کے ہمراہ امیر المومنینؑ اور بہت سے اصحاب اور ابو بکر
 اور عمرؓ جن کو اہلسنت شجاع سمجھتے ہیں موجود تھے جو کچھ اسکے جواب میں کہا جاسکتا ہے
 وہی ہمارا بھی جواب ہے لہذا امیر المومنینؑ کا جنگ ترک کر دینا ان ظاہری اسلام
 والوں سے بالکل ٹھیک تھا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ بنی ہاشم بنی تیم سے زیادہ تھے
 نہ یہ کہ قریش کے تمام قبیلوں سے زیادہ جو کہ حضرت کی عداوت میں ابو بکر کی خلافت
 کے معین ہو گئے تھے چنانچہ اسی عداوت کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت کے
 ساتھ قریش کے صرف پانچ آدمی تھے یعنی (۱) محمد بن ابی بکر حضرت کے ربیب (۲) جعد
 بن ہیرہ مخزومی حضرت کے بھانجے (۳) ابوالریبع بن ابی العاص بن ربیعہ جو جناب رسالتؐ
 مآب کے داماد مشہور ہیں (۴) محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ معاویہ کے بھانجے (۵) ہاشم
 بن عتبہ بن ابی وقاص سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے۔ اور معاویہ کے ساتھ قریش کے
 تیوقبیلہ باہل و عیال تھے چنانچہ حضرت نے اپنے بعض خطبوں میں اظہار شکایت کرتے
 ہوئے فرمایا ہے کہ بارالہا میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ تو قریش سے میرا انتقام لے ان

لوگوں نے میری قرابت کو منقطع کر دیا اور میرے ظرف کو اولٹ دیا اور میرے حق کے پھیننے پر اجماع کر لیا ایسا حق کہ جس کا میں زیادہ حقدار تھا اور ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ بھی حق ہے کہ تم خلافت کو لو اور یہ بھی حق ہے کہ تمکو نہ دی جائے تو یا تو اس غم پر صبر کرو یا افسوس کرتے کرتے مر جاؤ۔ میں نے جو دیکھا تو کوئی میرا مددگار و ہمدرد سوائے میرے اہلبیت کے نہیں ہے پس میں نے موت سے اس امر میں بخل کیا کہ اپنے اہلبیت کو اُسے دیدوں لہذا میں نے ایسی ایسی باتوں پر صبر کیا کہ جو علقم سے زیادہ تر تلخ اور چھریوں سے زیادہ تر قلب کے لئے ایذا رساں تھیں ختم ہوا کلام مبارک۔ اسی طرح ہم نے نص کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ لوگوں کے اور انصار کی دیکھی سنی ہوئی تھی نہ یہ کہ مخالفین ان کو دھوکہ میں بھی نہیں ڈال سکتے تھے اُن دجہ سے کہ جن کا ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن ابن روضہ بیان کا یہ کہنا کہ انصار کبھی ابو بکر کو علی پر ترجیح نہیں دیتے تھے یہ خود اس امر کا ثبوت ہے کہ قریش نے ابو بکر کو محض امیر المومنین کی عداوت کی وجہ سے ترجیح دی لیکن اس کا یہ کہنا کہ انصار بمنزلہ ایک لشکر عظیم کے تھے مسلم نہیں ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو رسالت مآب صلعم جانتے تھے کہ میری وفات کے بعد انصار کی کیا حالت ہو جائیگی کہ آپس میں ایک دوسرے کو ذک و دینگے اور نقصان پہونچائیں گے چہ جائیکہ امیر المومنین کو۔ انھوں نے یہ کہ عباس و زبیر کی اٹھا تمام قریش کے مقابلہ کے لئے کافی نہ تھی اور ابوسفیان تو منافق ہی تھا و سکی غرض اس سے یہ تھی کہ فتنہ برپا ہو جائے نہ یہ کہ وہ حضرت کی مدد کرتا اور چونکہ حضرت کو اس کا علم تھا لہذا انھوں نے اُس سے اعراض کیا اور فرما دیا کہ تو منافق ہے تیرے قول کا اعتبار نہیں اسلئے جب ابو بکر و عمر نے یہ سنا کہ ابوسفیان نے حضرت سے یہ کہہا ہے تو انہوں نے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اُسکے بیٹے زید کو شام کا والی بنا کر اپنی طرف کر لیا چنانچہ وہ اُن کا معین ہو گیا علاوہ اسکے ابوسفیان و زبیر و عباس نے یہ اُس وقت کہا تھا کہ

جب اکثر قریش اور انصار نے ابو بکر کی بیعت پیرنا گہانی طور سے اتفاق کر لیا تھا اور ان سے جنگ کرنا فساد کا باعث تھا۔

لیکن نویں وجہ پس ابن روضہ بیان کا یہ کہنا کہ ابو بکر شیعوں کے نزدیک کمزور بڑا مفلس بڑھا تھا مسلم ہے اور حق ہے اس لئے کہ کسی کو اس کی کمزوری اور رذالت و شکستگی میں شبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ خود اُس کے باپ ابو قحافہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور قریش نے اُس کی خلافت پر اتفاق کرنے پر تعجب کیا ہے چنانچہ ابن حجر نے صواعق میں ذکر کیا ہے کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو قحافہ نے جب یہ سنا کہ اُن کے صاحبزادے خلیفہ ہو گئے تو کہا کہ کیا بنی عبد مناف وہی منیرہ اسپر راضی ہو گئے تو سب نے کہا کہ ہاں تو کہنے لگے کہ لاواضع لمارفعت ولا رافع لما وضعت یعنی جسکو تو پست کرے اُسے کوئی بلند نہیں کر سکتا اور جسکو تو بلند کرے اُس کو کوئی پست نہیں کر سکتا اور ابو بکر کو امر خلافت میں صرف اکثر قریش کے اتفاق کر لینے سے تقویت ہوئی کیونکہ انھوں نے امیر المومنین کی عداوت میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ ابو بکر کی اعانت کریں گے جیسا کہ کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے ورنہ خود ابو بکر میں کوئی قوت نہ تھی۔ اور یہ اُن لوگوں کی چالاکی تھی کہ انھوں نے ایک ایسے کمزور کمینہ بڑھے کا انتخاب کیا تاکہ خود غرضی و عداوت کی تہمت سے بچ سکیں اور یہ لوگ یہ کہہ سکیں کہ اگر اُن کی غرض یہ ہوتی کہ علی کو حق خلافت سے علیحدہ رکھیں تو اشرف اکابر قریش میں سے کسی کو خلیفہ کرتے یا خلافت کو تقسیم کر لیتے اور اس امر کا مظہر یہ ہے کہ مشکوٰۃ وغیرہ میں جناب رسالتاً سے منقول ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اگر تم لوگ اپنی حکومت علی کو دو دھالانک میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسا نہ کر دے تو اُن کو ایسا ہدایت یافتہ ہادی پاؤ گے جو تم کو راہ راست پر لے چلے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ قریش کو امیر المومنین نے ایسی مخالفت و عداوت تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلعم کو بھی اس کا ظن غالب تھا کہ یہ لوگ حضرت کی امامت میں رخنہ

اندازی کریں گے اور اسی کی موید وہ روایت بھی ہے کہ جب کو ابن حجر نے صواعق محرکہ میں روایت کیا ہے کہ عباس نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ قریش ہم کو دیکھ کر شر و ہو جاتے ہیں اور اگر باتیں کرتے ہوتے ہیں تو ہم کو دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں یہ سن کر آنحضرتؐ کو بہت سخت غصہ آیا یہاں تک کہ چہرہ سرخ ہو گیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان رگ ابھرا آئی اور فرمایا کہ قسم ہے اُس خدا کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی کے قلب میں ایمان جاگزین نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تم کو خدا کے لئے اور میرے لئے دوست نہ رکھتا ہو اور اسی کی موید دوسری روایت ہے کہ جس کو ابن حجر نے دوسرے مقام پر روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرا بہت غمقریب میرے بعد میری امت کے ہاتھوں قتل کے جانینگے اور تمام قوموں میں سب سے زیادہ ہمارے دشمن بنی امیہ و بنی مغیرہ و بنی مخزوم ہیں اور اس روایت کو حاکم نے بھی صحیح کہا ہے اور ابن حجر نے ایک مقام پر عبد اللہ بن احمد بن خلیل سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے علیؑ و معاویہ کے بارہ میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ علیؑ کے دشمن بہت تھے اور جانتے تھے کہ کوئی نقص یا عیب حضرت کا ڈھونڈھیں لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو ایسے شخص کے پاس آئے کہ جس سے حضرت نے بنگ کی تھی (یعنی معاویہ) اور اپنی مکاری و کیا دی سے اس کی مدح و ثنا کرنا شروع کر دی۔ انتہی اسکی تائید کی یہ وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے دشمن اُس زمانہ میں یہود و نصاریٰ اور جنگلی عرب نہ تھے بلکہ یہی قریش تھے پہلے تو انھوں نے ایک شخص کو (یعنی ابوبکر کو) اس طرح مدد پہنچائی کہ اُس نے امیر المومنینؑ سے خلافت بغیر تیغ و تفتنگ کی مدد کے چھین لی اُس کے بعد اُن کے ایک دشمن (یعنی معاویہ) کو کھڑا کر دیا جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے اور ان سب امور کی توضیح اُس خطبے سے ہوتی ہے کہ جس کا نام خطبہ طالوتیہ ہے جس کو حضرت نے

اپنے دوستوں اور منافقوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا چنانچہ حضرت بعد حمد و ثنا کے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے ہو کہ جن کو ذہب کا دیا گیا اور وہ دھوکا کھا گئے اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی اور گمراہی کی تار پائی میں با تھبیر مار رہے تھے حق اُن کے لئے ظاہر ہوا مگر اُنھوں نے اُسکو چھوڑ دیا اور راہ راست ظاہر ہوئی مگر اُس کو ترک کر دیا قسم ہے اُس خدا کی جس نے دانہ کو شکاف فتح کیا اور درخت کو پیدا کیا اگر تم علم کو اُس کے معدن سے لیتے اور پانی کو چشمہ سے پیتے اور راہ راست کو اختیار کرتے اور حق کے راستہ پر چلتے تو راستہ تمھارے لئے صاف ہو جاتا اور نشانیاں راستہ کی ظاہر ہو جاتیں اور اسلام تمھارے لئے روشن ہو جاتا تو غذا تمھاری خوشگوار ہوتی اور کوئی تم میں فقیر نہ ہوتا اور کوئی مسلم اور ذمی مظلوم نہ ہوتا تم تو تاریک راستہ پر چلے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا با وجود اپنی وسعت کے تمھارے لئے تاریک ہو گئی اور علوم کے دروازہ تمھارے لئے بند ہو گئے پس تم اپنی خواہشات کے موافق گویا ہوئے اور دین میں تم نے اختلاف کیا پس بغیر علم کے تم نے دین خدا میں فتویٰ دینا شروع کیا اور گمراہی کی پیروی کی پس اُنھوں نے تم کو بھی گمراہ کر دیا اور ائمہ کو تم نے چھوڑ دیا پس اُنھوں نے بھی تم کو چھوڑ دیا اب تمھاری یہ حالت ہے کہ خواہشات نفس سے غم حکم کرتے ہو لیکن عنقریب تم کو اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ قسم بخدا تم کو معلوم ہے کہ میں تمھارا حاکم ہوں اور وہی ہوں جس کی پیروی کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور میں ہی تمھارا وہ عالم ہوں کہ جس کے علم کی وجہ سے تم کو نجات ملے گی اور تمھارے نبی کا وصی ہوں اور تمھارے خدا کا منتخب کردہ ہوں اور زبان نور ہوں تمھارے لئے اور ان چیزوں کا عالم ہوں جو تمھارے مصلح ہیں عنقریب پیر وہ چیز نازل ہوگی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور تم سے پہلے جو امتیں تھیں اُن پر نازل ہو چکی ہے (یعنی عذاب اختلاف و تفرق) عنقریب خداوند عالم تم سے سوال کرے گا تمھارے پیشواؤں کے بارے

میں (یعنی جن کی ناحق تم نے پیروی کی ہے) اور انھیں کے ہمراہ تم محسور کے جاؤ گے اور کل خدا کی طرف تم کو جانا بھیگا۔ قسم بخدا اگر میں کے پاس اتنے بھی آدمی ہوتے جتنے کہ طالوت کے پاس تھے یہ جتنے اہل بدر تھے تو میں تم سے جہاد کرتا اور تم حق کی طرف رجوع کرتے اور راستی کو پہچانتے اور یہ طریقہ رضیہ کی اصلاح کے لئے بہتر ہوتا اور نرمی کو زیادہ پیدا کرتا خدا یا تو ہمارے درمیان سچا فیصلہ کر اس لئے کہ تو بہترین حکم کرنے والوں میں سے ہے۔ دسویں وجہ ابن روزبہان کا یہ قول کہ صحابہ کو سلطنت کی خواہش نہ تھی اس قول میں جو آثار تنصب و خود غرضی و مرض کے ہیں وہ ظاہر ہیں اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ نے خلافت حاصل کرنے میں کیا کیا حیلہ و مکاریاں کی ہیں اور نیز صفائی کے کتاب مشارق میں بخاری سے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے اصحاب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ حکومت پر خواہش کرو گے اور یہ حکومت سبب ندامت ہوگی بروز قیامت پس کیا اچھی مرضیہ ہے اور کس قدر بری دودھ چھڑانے والی ہے۔ قول مترجم (یعنی آنحضرت صلعم نے حکومت و خلافت کو آغاز میں مرضیہ سے تشبیہ دی ہے جو طفل کو محبوب ہوتی ہے اور انجام میں تشبیہ دی ہے جو درد چھڑانے والی عورت سے جو طفل کو بہت کر وہ ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ دنیا میں حکومت اچھی معلوم ہوگی اور آخرت میں اس کے نتائج بد پیش آئیں گے) اور تحقیق کہ شراح مقاصد نے انصاف و اعتراف سے ظاہر کیا ہے جو کچھ کہ صحابہ کے درمیان میں امر خلافت کے متعلق متعلق تھا ہوئی اور اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ کیا کچھ زحمات و بلائیں خلافت کے بارے میں لوگوں کو پہنچیں لیکن ابن روزبہان نے اپنی حماقت و بے عقلی سے جو جو بھل تاویلیں اس بارہ میں کی ہیں وہ کچھ مفید نہیں ہیں اور اب ہم قول شراح مقاصد کو ذکر کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو زیادہ انتظار کی تکلیف آئندہ نہ ہو پس ہم کہتے ہیں

کہ خداوند عالم نے شایع مقاصد کی زبان پر امر حق کی جاری کر دیا ہے پس اُس نے
 ابن روز بہان کے خلاف یہ بیان کیا ہے کہ جو کچھ صحابہ کے درمیان میں مخالفتیں
 واقع ہوئی ہیں اور وہ سب کتب توارخ میں مذکور اور معتبر لوگوں کی زبان پر مشہور
 ہیں ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ طریق حق سے پھر گئے تھے اور ظلم و
 فسق بپیدا کرنے لگے اور باعث ان امور کا یہ تھا کہ اُن کے دلوں میں کینہ و عداوت
 و بغض و حسد تھا اور طلب ملک و ریاست و لذات و شہوات دنیویہ کی طرف
 اُن کی طبیعتیں مائل ہو گئیں تھیں کیونکہ ہر صحابی معصوم نہیں ہے اور نہ یہ بات ہے
 کہ جس نے رسول صلعم کی ملاقات کر لی تھی وہ نیکی سے موصوف ہوا گاہ ہو تحقیق کہ علماء
 اسلام نے بسبب حُسن ظن کے اصحاب رسول کے ساتھ اُن کے افعال کی تاویلیں کی
 ہیں اور اُن کی یہ رائے ہوئی ہے کہ صحابہ رسول فسق و ضلالت سے محفوظ تھے صرف
 اس وجہ سے کہ عقائد عامہ مسلمانوں کے اصحاب کبار رسول کی بہ نسبت کجی و گمراہی سے
 محفوظ رہیں اور اُن کے حق میں کوئی امر خلاف نہ کہیں خصوصاً اصحاب جہاجرین
 اور انصار کہ جن کو دار آخرت میں ثواب کی بشارت دی گئی ہے اور جو کچھ اصحاب جہاجرین
 و انصار کے بعد اہل بیت نبی پر مظالم ہوئے وہ ایسے ظاہر و آشکار ہیں کہ کسی طرح
 مخفی نہیں رہ سکتے اور جو کچھ بدی واقع ہوئی ہے وہ صاحبان عقل پر واضح ہے وہ
 مصائب اہلبیت ایسے ہیں کہ جمادات بھی گویا اُس پر شاہد ہیں اور آنحضرت کی
 مصیبت پر اہل آسمان و اہل زمین بکا کرتے ہیں اور پہاڑ بھی ان مصیبتوں پر منہدم
 ہوتے ہیں اور پتھر بھی شق ہو جاتے ہیں اور ان بدکرداریوں کا برا نتیجہ ہمیشہ ہمیشہ باقی
 رہے گا پس خدا کی لعنت ہو اُس پر جو ان اہل بیت کے مظالم کرنے میں شریک ہوا
 یا راضی رہا یا اُن پر ظلم کرنے میں سعی کی اور ہر آئینہ عذاب دار آخرت شدید تر اور
 ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ختم ہوا کلام شایع مقاصد گیارہویں وجہ ابن روز بہان

کہا یہ کہنا کہ حق وہی ہے جس پر امت کے سوا داعظم نے اتفاق واجماع کر لیا ہے (یعنی خلافت ابو بکر پر) یہ مردود ہے اس طرح کہ اتفاق سوا داعظم یعنی اکثر مردم کا اتفاق کرنا جیسا کہ ابن روزبہان نے سمجھا ہے ایسی بات ہے کہ جس کو پسند نہیں کر سینگے مگر وہ جن کے دل معرفت حق و یقین سے خالی ہوں اور رسول خدا صلعم کے اس قول سے غافل اور بے خبر ہوں کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے سب فرقے داخل جہنم ہونگے اور صرف ایک نجات پائیگا پس آنحضرت صلعم کا یہ قول دلیل ہے اس امر پر کہ ناجی قلیل بلکہ نادر ہیں بہ نسبت اُن کثیر آدمیوں کے جو ہلاک ہونے والے ہیں اور تحقیق کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس بات پر نص فرمادی ہے وقلیل ماہم وقلیل من عبادى الشکور وما امن معہ الا قلیل وان تقطع اکثر من فی الارض یضلوا عن سبیل اللہ ولکن اکثر الناس کایومنون۔

اور علاوہ ان کے اور بہت سی آیات ہیں اور امر حق یہ ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوا داعظم سے جو ارادہ فرمایا ہے اپنے اس قول میں کہ علیکم بالسّواد الاعظم یعنی تم پر سوا داعظم کی پیروی کرنا لازم ہے اس سے مراد کتاب خدا و عترت ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا یا مراد سوا داعظم سے مخصوص جناب امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں جیسا کہ اس کی طرف زرخشری و فخرالدین رازی نے اپنی تفسیروں میں اشارہ کیا ہے اس لئے کہ آنحضرت کی شان میں آیہ و تعویذ اذن واعیہ نازل ہوئی جیسا کہ مصنف یعنی علامہ حلی آئندہ ذکر فرمائیں گے اور زرخشری و فخرالدین رازی نے تفسیر میں اس آیہ کے بیان کیا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ خداوند عالم نے اذن واعیہ جمیعہ توحید و تنکیر کیوں ارشاد فرمایا ہے تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ صیغہ واحد اذن واعیہ کا یہ ہے

اور اس میں زہر و توبخ بھی ہے کہ لوگوں میں یاد رکھنے والے بہت کم ہیں اور اس قول باری تعالیٰ میں دلالت ہے اس امر پر کہ ایک کان جبکہ ایسا ہو کہ جو کچھ سماعت کرے اُس کو یاد کرے پس وہی سوادِ اعظم ہے اور جو اُس کے ماسوا اُس کی طرف التفات نہ ہوگا اگرچہ نہ سننے والوں کی تعداد سے عالم مملو ہو جائے ختم ہوا کلام زحشری و فخر الدین رازی کا پس ظاہر ہوا کہ اس حدیث نبوی سے ہمارا فائدہ ہے نہ کہ ہمارا ضرر ہو۔

بارہویں وجہ یہ ہے کہ ابن روزبہان کا امام کے لئے وجوب عصمت کی شرط نہ کرنا اس کو ہم سابق میں رد کر چکے ہیں اور ہم نے اُس کی دلیل کو عدم کی تاریکیوں میں ڈال دیا ہے اور اسی طرح ہم اس بات کو بھی جو جواب دلیل دوم میں اُس نے کہی ہے کہ امام سے سابق میں معصیت نہ ہونا شرط نہیں ہے رد کر کے ہیں اور یہاں اس شرط ہونے پر قول باری تعالیٰ کو ہم دلیل لاتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے لاینال عہدی الظالمین اور یہ قول حق سبحانہ و تعالیٰ کا جواب ہے جناب ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا جبکہ آنحضرت نے اپنی ذریت کے لئے امامت کا سوال کیا تھا اور بارگاہِ احادیث میں عرض کیا ومن ذریعتی تو جواب میں یہ حکم ہوا کہ لاینال عہدی الظالمین اے ابراہیم میرا عہد ظالمین کو نہیں پہنچتا ہے یعنی تمہاری ذریت میں جو لوگ معصوم نہیں ہیں اُن کو امامت نہ ملے گی۔

دلائل امامت جناب امیر المومنین علیہ السلام از آیات قرآنیہ

عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحَمَّدٌ وَآلُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

امامت کے وہ دلائل کہ جو منقول ہیں دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو قرآن میں مکتور

پہلی دلیل

دلائل مامت
جناب پیشہ
از آیات
قرآنیہ

ہیں اور ایک وہ جو سنت میں ہر ایک جو قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ چند آیات میں پہلی آیت ولایت ہے اِنَّمَا وَلِيَّكَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ الصَّلٰوةَ وَرِیْطُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهٰذَا اَكْعُوْنَ۔ اس آیت پر اجماع ہے کہ یہ شان میں جناب امیر المومنین کے نازل ہوئی جبکہ امیر المومنین علیہ السلام نے بحالت زکوٰۃ بلوچوں کی صحابہ مسجد رسول میں خاتم تصدق فرمایا اور یہ امر کتب صحاح ستہ میں مذکور ہے اور مراد دلی سے متصرف و حاکم فی الامور ہے اور تحقیق کہ خداوند عالم نے اپنی ذات کے لئے ولایت و حکومت کو ثابت کیا ہے اور شریک ہوئے جناب رسول خدا و جناب امیر المومنین علیہما السلام ولایت خدا کے ساتھ اور جس طرح ولایت و حکومت خدا کی عام ہے پس اسی طرح نبی اور ولی کی بھی ولایت عام ہوگی۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ مراد ولی سے اس آیت میں ناصر (مددگار) ہے کیونکہ لفظ ولی مشترک ہے معنوں میں اور ولی متصرف کے معنوں میں بھی ہے اور مددگار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور محب کے لئے آتا ہے اور ولی کے معنی اولیٰ بالتصرف کے ہیں جیسے ولی کسی لشکر کے یا عدوت کا اور لفظ مشترک جبکہ مترادف ہو اپنے معنی میں تو اس وقت قرینہ کا وجود لازم ہوتا ہے جو معنی مطلوب کیلئے معین ہو اور اس مقام پر ایسا ہی ہے پس یہ لفظ اس آیت میں آتا علی کیلئے نفس نہیں ہے اور جب امامت پر نفس نہ ہوگا تو اس آیت سے علامہ کا استدلال باطل ہے لیکن اس امر کے قرائن کہ آیت میں مراد ولی سے ناصر ہیں نہ کہ اولیٰ بالتصرف ہے پس وہ موجود ہیں کیونکہ اگر لفظ ولی سے مراد اولیٰ بالتصرف کی ہوگی تو یہ مراد غیر مناسب ہے اس جو کچھ کہ قبل آیت ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ قول ہے خداوند عالم کا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

لہ اسی وجہ سے اس کو ابن اثیر نے جامع الاصول میں ذکر کیا ہے۔ مترجم

اليهود والنصارى بعضهما اولياء بعض کیونکہ اس آیت میں مراد اولیا سے
انصار ہے نہ کہ اولی بالتصرف اور اگر لفظ ولی سے مراد حاکم و متصرف فی الامر کے ہونے
تو بعد آیت مذکورہ کے جس کا ذکر کیا گیا ہے اُس کے بھی غیر مناسب ہوگا اور یا بعد
آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے ومن یتول الله ورسوله والذین امنوا فان
حزب الله هم الغالبون پس تولى اس مقام پر بمعنی محبت و نصرت کے ہیں پس
واجب ہے کہ جو درمیان ہے اُن دونوں مرادوں کے وہ بھی حل کیا جائے نصرت و محبت
پر تاکہ اجزاء کلام الہی میں تناسب باقی رہے ختم ہوا قول ابن روزبہان کا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کے اس جواب میں نظر ہے کئی وجہوں سے پہلی یہ کہ قرینہ اس
بات کا کہ مراد لفظ ولی سے اولی بالتصرف ہے نہ معانی دیگر یہاں موجود ہے کیونکہ
حصر ولایت کا اُن مومنین میں جن کی صفت اس آیت میں بیان کی گئی ہے ساتھ
زکوٰۃ دینے کے حالت رکوع میں دلالت کرتا ہے کہ یہاں مراد معنی نصرت کے نہیں
ہیں ورنہ بسبب مقتضائے حصر کے یہ لازم آئے گا کہ ہر مومن کہ جو ولی ہو اُس کے
لئے یہ شرط مطلقاً ہو کہ وہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتا تھا لاکہ ایسا نہیں ہے اور
فساد اس قول کا ظاہر ہے بہر حال حاصل بحث یہ ہے کہ اگر ارادہ کیا جائے ولی
سے ناصر کا اور ارادہ کیا جائے الذین امنوا سے وہ جماعت مومنین کی جن کا
متصف ہونا نصرت سے ممکن ہے پس اس وقت میں حصر مستقیم و صحیح رہیگا لیکن
وصف زکوٰۃ کے دینے کا حالت رکوع میں مستقیم نہ رہیگا اور اگر لفظ ولی سے ناصر
الارادہ کیا جائے اور الذین آمنوا سے مراد جناب امیر المومنین علیہ السلام ہوں تو
حصر باطل ہو جاتا ہے اور اگر ولی سے اولی بالتصرف مراد لیا جائے اور امیر المومنین

علیہ السلام مقصود ہوں تو ایسی حالت میں حصر اور وصف دونوں مستقیم اور صحیح رہیں گے
 کیونکہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے کی شان سے اُس امام کے ہونا جو اولیٰ بالتصرف ہو
 مستبعد ہے (یعنی امام کے لئے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ موصوف ہو زکوٰۃ دینے کے
 ساتھ رکوع میں) بلکہ یہ مروی ہے کہ یہ بزرگی و کرامت باقی ائمہ معصومین علیہم السلام
 کے لئے بھی واقع ہوئی ہے (یعنی علاوہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے دیگر ائمہ
 معصومین علیہم السلام نے بھی حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہے بحان اللہ مترجم)
 دوسری وجہ نظر کی یہ ہے کہ ولایت بمعنی امامت اور تصرف فی الامور عام
 ولایت سے بمعنی تصرف فی الجملہ کے پس نفی کرنا ولایت کی بمعنی امامت کے مفید ہے
 نفی کی اُس ولایت کے لئے جس کی نفی کی گئی ہے یہود و نصاریٰ سے آیت اولیٰ
 میں بنا بر وجہ کامل کے اس لئے کہ نفی عام کی نفی خاص کی ہے مع امر زائد کے پس
 یہ امر نفی کرنے میں تمام تر ہے پس مناسبت حاصل ہو جائیگی آیت اولیٰ سے اور اسی
 طرح کلام کیا جائے گا بعد آیت میں کہ وہاں بھی ویسی ہی نفی ولایت ملو جیسی کہ آیت
 سابقہ میں نفی مراد ہے پس کوئی دلالت آیہ میں اُن کے مقصود پر نہ ہوگی الا جبکہ بعض
 کو بمعنی النصاۃ اللہ لیں جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور یہ بالکل ضعیف ہے جیسا کہ تم دیکھتے
 ہو اور نیز یہ کہ عطف اس آیت میں دلیل ہے اس بات پر کہ تینوں ذاتوں کے لئے
 ولایت مخصوص ہے جس معنوں سے ہو اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ نصرت خدا اور
 اُس کے رسول کے مومنین کے لئے مثل ہے اوپر تصرف فی الامر کے خدا و رسول
 کے لئے پس اسی طرح نصرت اُن لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں شامل ہوگی تصرف
 امر پر زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تصرف فی الامر مفہوم مشکک ہوگا کہ جو مختلف ہوگا
 اولیت و اولویت اور اشدیت کے ساتھ (یعنی تصرف فی الامر پہلے خدا کے لئے ہو
 پھر رسول کے لئے پھر الذین امنوا کے لئے اور اسی طرح اولویت اور اشدیت

کو سمجھو بلکہ دس معانی جواہل لغت نے ولی کے لئے ذکر کئے ہیں اُن سب کا مرجع
 اولیٰ بالتصرف کی طرف ہے کیونکہ مالک الرق کہ جو ایک معنی ان میں سے ہے وہ
 اولیٰ ہے اپنے مملوک کے ساتھ تصرف امر میں اور مملوک اپنے مالک کے ساتھ
 اور اسی طرح معتق (آزاد کرنے والا) اولیٰ بالتصرف ہے اپنے معتق کے ساتھ
 جو آزاد کیا گیا ہو اور بالعکس بھی یہی امر ہے اور اسی طرح جار (ہمسایہ) جار کے ساتھ
 اور حلیف (ہم سو گند) حلیف کے ساتھ اور ناصر (مدگار) منصور کے ساتھ اور ابن عم
 اولیٰ بالتصرف ہوگا اپنے ابن عم کے ساتھ پس یہ کل معنی کہ جو ذکر کئے گئے اور نیز
 وہ معنی کہ جو نہیں ذکر ہوئے سب اولیٰ ہیں اپنے صاحب کے لئے اُس شخص سے کہ
 جس کو یہ ولایت نہیں حاصل ہے جیسا کہ غور کرنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔
تیسری وجہ۔ یہ کہ آیات کا موافق ہونا اُس وقت واجب ہوگا جبکہ توافق
 کوئی مانع موجود نہ ہو اور جبکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حل کرنا لفظ ولی کا بمعنی ناصر و
 درست وغیرہ کے اس مقام پر مراد نہیں ہے تو یہ مانع موجود ہے پس تینوں
 آیتوں میں موافقت ضروری نہیں قرار پائی اس کے علاوہ یہ تینوں آیتیں ایک
 مرتبہ نازل نہیں ہوئی ہیں تاکہ ایک دوسرے میں ربط و مناسبت کا ہونا ضروری
 تسلیم کیا جائے پس یہ اعتراض حقیقت میں اُن کے خلیفہ حضرت عثمان پر ہی وارد
 ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تمام مصاحف کو ایک مصحف کے مطابق جمع کر دیا ہے اور
 تحریف کلمات اپنے مقامات سے اُنھوں نے کی ہے اور جیسا کہ چاہیے تھا ترتیب
 آیات کو اُس طرح مرتب نہیں کیا اور قرآن کے اس طرح غیر مرتب جمع کرنے میں
 خلیفہ کے لئے بہت سے اغراض تھے کہ جواہل بصیرت پر مخفی نہیں ہیں۔
چوتھی وجہ یہ ہے کہ ابن روضہاں کا تفریع کرنا چونکہ اول کی آیت اور آخر
 کی آیت میں مراد محبت و نصرت ہے لہذا وسط کی آیت میں بھی لفظ ولی سے ناصر

و محب کا مراد لینا واجب ہے محل، تامل ہے کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ جو اُس نے کہا ہے کہ لفظ ولی کے ایک ہی معنی مراد لینے سے ربطاً جزاء کلام باقی رہیگا پس یہ دلیل اُس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ دلیل اس امر کی موجود ہے کہ آیت وسط میں نصرت کے معنی مراد لینا صحیح نہیں ہیں پس تم اس بات میں غور کرو اور تحقیق کہ اس آیت کے ساتھ حجت لانے پر بعض متعصبین نے یہ بھی اعتراض کیا ہے اور یہ کہل ہے کہ تم لوگ (اہل تشیع) یہ کہتے ہو کہ علی علیہ السلام کو حالت نماز میں خضوع و خشوع اور استغراق جمیع حواس اور توجہ الی الٰہی الخ بہت ہوتا تھا یہاں تک تم لوگ اس امر میں مبالغہ کرتے ہو اور بیان کرتے ہو کہ آنحضرت کے جسم مبارک سے اُس پیکان کے کھلنے کا ارادہ کیا گیا جو کسی لڑائی میں پیوست ہو گیا تھا پس نماز کے وقت تک اُس تیر کو نہیں نکالا گیا اور بوقت نماز اُن جناب کے جسم مبارک سے نکال یا گیا اور اُن کو بسبب استغراق و توجہ الی الٰہی الخ کے مطلق اُسکی ادیت کا احساس نہیں ہوا پس جب یہ حالت اُن جناب کی نماز میں ہو تو کیونکر سائل کا آنا محسوس ہوا یہاں تک کہ انگوٹھی حالت رکوع میں اُس کو مر جمت فرمائی۔ بعض علمائے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے اور اُس کو نظماً ادا کیا ہے شاعر کہتا ہے کہ مدوح ایسا ہے کہ عطا کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے لیکن اُس کا نشہ اُس کو اپنے دوست سے غافل نہیں کرتا ہے اور نہ وہ کاسہ سے غافل ہوتا ہے اُس کا نشہ اُسکی اطاعت میں ہے یہاں تک کہ وہ ہوشمند لوگوں کے فعل پر قادر ہے پس ایسا شخص کہ جو حالت نشہ میں بھی ہوشمند رہے افضل ترین مردم ہے اور حاصل جواب یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام گو کہ اُس حالت میں تھے جسکو معترض نے ذکر کیا ہے۔ لیکن پھر آپ کو التفات ہوا اور سائل اور اُس کے سوال کرنے کا ادراک ہوا تو اس التفات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت کسی اور کی جگہ

ملتفت تھے کیونکہ آپ نے ایسا فعل کیا کہ جس کی انتہا بھی حق کی طرف عود کرتی تھی پس وہ جناب مثل اُس شراب محبت پینے والے کے تھے جو حالت نشہ میں بھی ایسا فعل کرے جو موافق ہو فعل سے ہو شمعندون کے اور وہ ایسی حالت میں نہ تو اپنے ذہن پر اور نہ جام سے غافل ہوتا ہے اور نہ اس فعل کی وجہ سے اپنے نشہ سے خارج ہوتا ہو پس اس بات میں غور کرو جناب قاضی سید نور اللہ شہید ثالث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ادریں اُس کے جواب میں یہ بھی کہتا ہوں کہ منتہائے امر یہ ہے کہ وہ جناب اس مرتبہ پر فائز ہوں گے جو حاصل ہوتا ہے اولیاء کے لئے وحدت سے کثرت میں اور خلوت سے جلوت میں اور تحقیق کہ متصوفین اہلسنت کے فرقہ نقشبندیہ نے یہ مرتبہ اپنے لئے ثابت کیا ہے اور یہ امر ان لوگوں میں مشہور ہے کہ وہ کہتے ہیں خلوت در انجمن میدایم پس اس مرتبہ کی مثال امیر المومنین علیہ السلام کے نفس میں حاصل ہونے سے یہ لوگ ناحق نزاع کرتے ہیں۔ بار الہا مگر یہ کہ کہا جائے کہ فرقہ نقشبندیہ چونکہ اپنے خرقہ تصوف کی نسبت ابو بکر کی طرف دیتے ہیں اور ان کے لئے برکات ابو بکر سے وہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جو امیر المومنین علیہ السلام کے لئے حاصل نہیں ہو سکتا تو یہ وہ کلام ہے کہ اس کو سوائے غضب الہی کے اور کوئی شے دفع نہیں کر سکتی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ عِلْمٌ سَلَامٌ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

دوسری آیت قرآن مجید کی یا ایہا الرسول بلغ ما أنزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ہ اسکے متعلق جمہور مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت بروز غدیر خم بیان فضل جناب امیر المومنین علیہ السلام میں نازل ہوئی پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کے ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس الست اولی بکم من

دوسری
دلیل

انفسکم قالوا بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاه فهذا علی مولاه
 اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل
 من خذله فادرا الحق معہ کیف ما دار یعنی اے گروہ مردم آیا میں تمہارے
 نفسوں سے زیادہ تمہارا حاکم اور متصرف فی الامور نہیں ہوں سب سے بالاتفاق عرض کیا
 کہ بیشک آپ ہمارے نفسوں سے زیادہ ہمارے حاکم و متصرف ہیں پھر آنحضرت صلیم
 نے فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ و حاکم ہوں اُس کے مولیٰ و حاکم یہ علیؑ ہیں پروردگار جو علیؑ کو دوست
 رکھے تو اُس کو دوست رکھے اور جو اُسے عدوت رکھے تو بھی اُس کو دشمن رکھنا اور جو علیؑ کی نصرت
 کرے تو اُس کی مدد کرنا اور جو شخص علیؑ کو چھوڑ دے تو بھی اُس کو چھوڑ دینا بارگاہِ
 توحید کو علیؑ کے ساتھ پھیر چدھروہ پھر یہ اور مولیٰ کے معنی اولیٰ بالتصرف کے ہیں
 بسبب اس دلیل کے کہ رسول خدا صلیم نے الست اولیٰ بکم من انفسکم
 اس حدیث کے اول میں ارشاد فرمایا ہے اور آنحضرت کا اولیٰ بالتصرف ہونا مسلم ہو
 اور سوائے اولیٰ بالتصرف کے اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے ختم ہوا کلام علامہ

قول ابن زوبہان

علامہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ مفسرین کا اجماع اس پر ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل
 ہوئی پس یہ باطل ہے کیونکہ مفسرین نے اس آیت کے نزول بشان علیؑ پر اجماع نہیں
 کیا ہے لیکن یہ جو روایت کی ہے کہ رسول خدا صلیم نے اس حدیث کو بروز خم غدیر
 اُس وقت ذکر فرمایا جبکہ جناب علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور
 کہا الست اولیٰ بکم پس یہ روایت صحاح میں ثابت ہے اور تحقیق کہہ سکتے
 اس کا ذکر ترجمہ کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں بھی کیا ہے جس کا محمل یہ ہے کہ
 واقعہ غدیر خم بوقت حج آخری رسول خدا صلیم واقع ہوا اور جو کہ مقام غدیر خم قبائل

عرب کے علاوہ ہونے کی جگہ تھی اور آنحضرتؐ جانتے تھے کہ آپ کی عمر آخر ہے اور اب اس کے بعد پھر آپ کے پاس اس قدر قبائل بھی جمع نہوں گے پس آپ نے یہ قصد فرمایا کہ اہل عرب کو اس امر کی وصیت کر دیں کہ وہ آپ کے اہلبیت و قبیلہ سے محبت قائم رکھیں اور اس امر میں کچھ شک نہیں ہے کہ علیؑ بعد رسولؐ خدا سے بنی ہاشم و بنو کثرین اہلبیت رسولؐ تھے پس اس وجہ سے آنحضرتؐ نے علیؑ کے فضائل بیان کئے اور ان کو اپنے نفس کا مساوی قرار دیا ولایت و نصرت و محبت میں تاکہ عرب ان کو اپنا سردار بنائیں اور ان کے فضل و کمال کا اعتراف کریں۔

پس ایسی حالت میں انصاف کرنے والا اپنے نفس سے انصاف کرے کہ اگر رسولؐ غدیر خم رسولؐ خدا صلعم خلافت علیؑ پر ایسی نص جلی فرماتے کہ جس میں کسی کو احتمال خلافت مقصود کا نہ ہوتا اور آیا تم دیکھے ہو کہ اہل عرب باوصف اپنی حماقت و کفر کے اور اپنے گروہ میں سے مثل سید کذاب و سجاح و طلحہ کو انبیاء بنانے والے بعد وفات رسول اللہؐ خلافت ابو بکر پر ساکت رہتے اور خلافت علیؑ علیہ السلام میں کچھ کلام نہ کرتے باوجودیکہ رسولؐ خدا نے جمیع قبائل عرب کے سامنے علیؑ کی خلافت پر نص کیا ہوتا اگر اس معاملہ میں کوئی تامل کرنے والا عاقل انصاف کرے تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ خلافت علیؑ پر بمقام غدیر خم کوئی نص رسولؐ خدا صلعم نے بیان نہیں فرمائی ہے ورنہ اہل عرب کبھی خلافت ابو بکر کو تسلیم نہ کرتے ختم ہوا کلام ابن روز بہان کا۔

جواب شہید ثمالیہ رحمۃ

میں کہتا ہوں کہ اولاً تو جناب علامہؒ حلی علیہ الرحمۃ نے اجماع مفسرین کا دعویٰ ہی نہیں کیا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ نقل کیا ہے جمہور نے کہ یہ آیت شان علیؑ میں بروز غدیر خم نازل ہوئی اور جمہور کے معنی اکثر مفسرین کے ہیں بہر حال مراد جناب علامہ

کی یہ ہے کہ مفسرین امامیہ کے ساتھ ایک جماعت مفسرین جمہور اہلسنت نے بھی فتوے
 کی ہے کہ یہ آیت بروز غدیر خم شان علیؑ میں نازل ہوئی اس سے یہ مقصود ہمارا
 نہیں ہے کہ کل مفسرین نے اس امر پر اتفاق کیا ہے اسلئے کہ جس چیز کی طرف
 کسی گروہ کے بعض لوگ گئے ہوں اور اُس میں موافقت کی ہو دوسرے فریق نے
 جو اُن کے دشمن ہیں تو ضرور یہ مذہب باقی گروہ مذکور پر حجت ہوگا اسی سبب سے
 علماء شیعہ جمہور اہلسنت پر اس امر سے احتجاج کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے ایسا بیان کیا
 ہے اور غزالی نے ایسا کہا ہے اسی طرح دیگر علماء اہلسنت کے لئے شیعہ حجت پیش
 کرتے ہیں یا اس کے برعکس یہ لوگ علماء شیعہ پر حجت لاتے ہیں اُن کے اقوال سے
 جیسا کہ ابن روزبہان نے خود اسی کتاب کے خطبہ میں کل فرقہ امامیہ پر حجت پیش
 کی ہے کہ حاکم ابو عبد اللہ نے ایسی روایت کی ہے اور وہ شعی امامی تھا حالانکہ
 حاکم کا شعی امامی ہونا غلط ہے)۔ بعض علماء اہلسنت نے جو اس روایت میں مخالفت
 کی ہے خصوصاً بعض متاخرین علماء نے وہ اس آیت کے نزول میں قدح نہیں
 کرتی ہے بلکہ اُن کی مخالفت کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ جب اُنھوں نے دیکھا کہ
 شیعہ اپنی حجت اُن پر قائم کرتے ہیں تو اُنھوں نے اس کی مخالفت شروع کی اور جو
 روایت اس کے منافی تھی اُس کو وضع کر لیا تاکہ وہ اپنے اس فعل سے حق کو چھپا
 اور ترویج باطل کی طرف متوجہ ہوں جیسا کہ ابن روزبہان نے آیت آئندہ
 میں حق کو مخفی کرنا چاہا ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اجماع حقیقت پر اس قول کے
 پہلے اور مخالفت کا ظاہر کرنا بعد اجماع کے ہوا ہے بسبب اُن اغراض
 نفسانیہ و اہوائے شیطانیہ کے جن کا ذکر سابق میں گذرا ہے۔ بالجملة اس نوم
 کی بری عادتوں سے ایک نہایت بری عادت یہ ہے کہ جب یہ دیکھتے ہیں
 کہ کوئی آیت فضائل اہلبیت رسول یا مناقب میں آنحضرت کے ایسی پائی جاتی

ہے کہ جس سے اہل تشیع نے اہلبیت کی افضلیت، واحصیت پر استدلال کیا ہے
 پس اُس آیت کو باوصف اس امر کے کہ اس سے قبل انھیں لوگوں نے اسکی
 روایت کی ہو کبھی اُس کو مخالفت سے رو کر دیتے ہیں اور کبھی ضعف راوی
 کے عذر سے اُس میں قبح کرتے ہیں کبھی تخصیص و تمییم کا عذر بار دیش کرتے
 ہیں اور کبھی اُس میں تاویل کرتے ہیں گویا دین کی باتوں کا وضع کرنا انھیں
 سپرد کر دیا گیا ہے اور جناب سید المرسلین علیہ السلام کی شریعتوں کا بنانا انھیں
 لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ لوگ کلام رب العالمین کو بھی نہیں سماعت
 کرتے ہیں جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے۔ قتل الحرّاصون الذین ہم فی غمرہ
 ساہون والذین یحکمون ما انزلنا من البیّنات والہدای
 من بعد ما بیّناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ
 ویلعنہم اللعنون۔ اور باوصف ان باتوں کے اسلاف ذریت طاہرہ
 واخلاف اہلبیت رسول مختار کے بزرگ راویوں کی روایت کو بھی تسلیم نہیں کرتے
 مثل جناب زین العابدین علیہ السلام و حضرت امام محمد باقر علیہ السلام باقر علوم
 الدین اور امام الصادقین جناب جعفر صادق علیہ السلام کے اور دیگر ائمہ طاہرین
 صلوات اللہ علیہم اجمعین اور جن صلحا و مومنین نے آنحضرت کا اتباع کیا اور روایت
 کی ہے اور آنحضرت کے موالی و تابعی کہ جو مومنین عارفین سے تھے نہ ان کی روایت
 کو مانتے ہیں اور یہ لوگ ان سب کی روایت پر طعن کرتے ہیں کیونکہ ان کے کلام
 کو اپنے مقصود کے مطابق نہیں پاتے کفقد زان لوگوں میں حیا کم ہے اور کفقد ریا
 ظلم میں بڑھے ہوئے ہیں پس کوئی بخیر ایسے سلف میں نہیں معلوم ہوتی اور کس نیکی
 کی امید ایسے خلف سے ہو سکتی ہے خدا الے لوگوں پر رحم نہ کرے اور ان کو گناہوں
 سے بری نہ کرے اور تحقیق کہ ابن روضہ بہان نے ان سب کو فضیحت کیا ہے۔

جبکہ آیات کتاب عظیم میں تحریف کی اور احادیث رسول کریم کو بدل دیا ہے خصوصاً جو
 کچھ کہ اس نے مسئلہ اجماع عترت طاہرہ میں متعلق بہ آیہ تطہیر بیان کیا ہے اور جو جو ایجاد
 اُس نے اس آیت کے مقصد بیان کرنے میں کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ اُن سے اس شخص
 کی تکفیر ہوتی ہے چہ جائیکہ عداوت جناب امیر المومنین کا اظہار ہوتا ہو با وصف اس
 امر کے کہ یہ حدیث یعنی حدیث غدیر صحاح قوم اہلسنت میں مروی ہے اور احمد بن
 حنبل نے اپنی مسند میں بطرق متعدد وہ اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ثعلبی نے اپنی
 تفسیر میں اور ابن مناذنی الشافعی نے کتاب المناقب میں طرق مختلفہ سے اسکو روایت کیا ہے ابن عقیل نے اکیس
 پانچ طریقوں سے اسکو روایت کیا ہے اور شیخ ابن کثیر شامی شافعی نے جہاں محمد بن جریر الطبری الشافعی
 کا ذکر کیا ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب ایسی دیکھی کہ جس میں طبری نے
 احادیث غدیر ختم جمع کئے ہیں اور وہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ایک کتاب
 طبری کی ایسی دیکھی کہ جس میں صرف طرق حدیث طبر جمع کئے ہیں اور ابوالمعالی الجوزی
 سے نقل کیا ہے کہ وہ تعجب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے شہر بغداد میں ایک
 صحاف کے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب دیکھی کہ جس میں حدیث غدیر ختم کے روایات درج
 تھے اور اُس کتاب پر یہ تحریر تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد ہے طرق حدیث من کنت
 مولاہ فعلی مولاہ کی اور اسکے بعد اونیسویں جلد ہوگی اور شیخ ابن الجوزی
 الشافعی نے اپنے رسالہ اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب میں حدیث غدیر
 کے نو اتر کو بطرق کثیرہ ثابت کیا ہے۔ بالجملہ یہ حدیث غدیر ایسی مشہر ہوئی اور اس
 حد کو پہونچنی ہے کہ اس طرح دوسری حدیث کو شہرت نہیں ہوئی اور امت رسول
 کے بڑے بڑے محققین نے اس کو قبول کیا ہے اور اسکو معتبر جانا ہے پس ایسی حد
 شریف سے وہی شخص انکار کریگا کہ جو دشمن اہلبیت رسول خدا ہو یا وہ شخص جس کو کتب
 احادیث و اخبار پر کسی قسم کی اطلاع نہ ہو۔

دوسری وجہ یہ کہ جو کچھ ابن روزبہان نے حدیث غدیر کے راز میں بیان کیا
 ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ وہ راز نص ہونے میں قاطع ہے پس یہ دعویٰ اس طرح سے
 مردود ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی فضیلت اور آنحضرت کا کمال اور علم
 اور سخاوت و شجاعت اور نزو و کمی اُن جناب کی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 سے اس طرح پر کہ وہ آنحضرت کے داماد اور ابن عم تھے اور جناب رسالت اب صلعم کے
 بیچ و غم کے دور کرنے والے تھے یہ سب فضائل و کمالات تامی عرب پر اچھی طرح ظاہر
 تھے خصوصاً قبیلہ قریش پر کہ جن کو وصیت کرنا اہم تھا۔ اور تحقیق کہ قرآن مجید میں وجوب
 محبت اہلبیت علیہ السلام کے لئے آیت اس سے قبل نازل ہو چکی تھی اور وہ یہ ہے
 قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودة فی القربی اور خود جناب رسالت اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے شان اہلبیت علیہم السلام میں حدیث ثقلین ارشاد فرمائی ہے (فتاویٰ)
 فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی۔ اور نیز یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اذکرکم
 اللہ فی اہلبیتی (یعنی میں تمہیں اپنے اہلبیت کے بارے میں خدا کو یاد دلانا ہوں)
 اور اس حدیث کو بکرات و مرآت زبان مبارک سے فرمایا ہے جیسا کہ ابن حجر نے
 کتاب صواعق محرقة میں اس کو نقل کیا ہے اسکے علاوہ اور بہت سی احادیث آنحضرت
 نے ارشاد فرمائی ہیں کہ جن میں اپنے اہلبیت کی محبت اور اُن کی توقیر و تعظیم کرنے کا
 ذکر موجود ہے اور اُن کی مخالفت سے حضرت نے ڈرایا ہے جیسا کہ کتب احادیث
 خصوصاً کتب مناقب میں اس طرح کی روایات بکثرت منقول ہیں اور تحقیق کہ جناب
 علامہ علی علیہ الرحمہ اللہ نے چند احادیث اس کتاب میں بھی ذکر فرمائی ہیں پس ان باتوں
 پر نظر کر کے عقل سلیم بدانتہ حکم کرتی ہے کہ آنحضرت ص کا ایسے مقام و زمانہ میں نزول فرمانا
 جہاں عاویہ مسافر قیام نہ کرتے ہوں اور جہاں ہوا ایسی گرم ہو جس کی بابت منقول ہے
 کہ لوگ اپنی سواریوں کے سایہ میں پناہ لیتے تھے اور شدت گرمی کی وجہ سے

اپنی ردا کو اپنے پیروں کے نیچے رکھے ہوئے تھے اور جگہ بھی ایسی جو کانٹوں سے
 مملو ہو پھر ایسے مقام پر پالان باجے شکر ایک منبر بنوا کر اُس پر تشریف لیا نا اور امیر المومنین
 علی بن ابی طالب علیہ السلام کے لئے ایسی دعا فرمانا کہ جو شان سلاطین و خلفاء و
 والیان عہد کے شایان ہو یہ سب اہتمام نہیں کیا گیا تھا مگر بسبب نزول وحی ربانی
 کے ایسی وحی کہ جو ایکابی فوری تھی اور اُسی زمانہ کے لئے خاص کی گئی تھی تاکہ
 ایک امر عظیم و جلیل القدر کہ جو خاص تھا جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام کے
 ساتھ تمام امت پر ظاہر کیا جائے اور وہ یہ تھا کہ وہ جناب خلافت و امامت
 کے لئے منصوب کئے جائیں نہ یہ کہ جملہ اہتمام صرف اسلئے آنحضرت نے فرمایا ہو کہ
 آپکی محبت و نصرت اپنی امت سے مطلوب تھی اور باوصف اس امر کے کیا اسی
 حدیث میں آنحضرت نے ایک ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ جس کے ساتھ اس
 احتمال کی مجال نہیں رہتی جس کا توہم ابن روزبہان نے کیا ہے اور وہ یہ
 قول آنحضرت است اولی بکم من انفسکم ہے اس لئے کہ یہ نص صریح
 ہے اس امر پر کہ آنحضرت نے ریاست دین و دنیا اس سے مراد لی ہے کیونکہ
 جو شخص امت کے نفوس سے اولیٰ متصرف ہے وہ نبی اور امام ہے جیسا کہ اس
 متعلق آیت گذشتہ میں ایک اشارہ کیا گیا ہے اور تحقیق کہ لفظ موئی سے ادنیٰ
 بہ تصرف ہونا ان لوگوں نے بھی سمجھا ہے کہ جو اس مقام پر موجود تھے۔ اور وہ
 ب کلام عربی کے بدلت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مثل عمر ابن الخطاب و حسان
 ثابت و حارث بن نعمان فہری کے لیکن عمر بن الخطاب کی بابت تو یہ خبر
 تر ثابت ہے کہ انھوں نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو بروز غدیر خم
 اب تصرف ہونے پر تہنیت و مبارکباد دی اور کہتے تھے حج حج لک یا بن
 طالب صرت موکلاے و موئی کل مومن و مومنہ چنانچہ غزالی نے

اپنی کتاب سّر العالمین کے چوتھے مقالہ میں جس کو اُس نے تحقیق امر خلافت کے لئے مقرر کیا ہے بعد چند بحثوں کے اور ذکر اختلاف کے تحریر کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے لکن اسفرت الحجة وجهها واجمع الجماهير على متن هذا الحدیث من خطبته صلوات الله عليه في يوم غدير باتفاق الجميع وهو يقول من كنت مولاه فعلى مولاه فقال عمر بن الخطاب يا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولى كل مؤمن ومؤمنة فهدى التسليم وسر صناعه و تحکیم ثم بعد هذا غلب الهواء لحب الرئاسة وحصل عمود الخلافه وعقود النبود وخفقان الهوا في قعقة الرايات واشتباك ازدحام الخيول وفتح امصار سقاھم كاس الهواء فعاد والى الخلاف الاول فبند والحق وراء ظھورهم واشتروا بثمنًا قليلًا لیکن دلیل روشن ہو گئی اور جمہور نے آنحضرت صلعم کی متن حدیث پر اجماع کر لیا ہے کہ جس کو آپ نے اپنے خطبہ یوم غدیر خم میں ارشاد فرمایا ہے اور سب کا اُس پر اتفاق ہے کہ وہ جناب اُس روز فرماتے تھے من كنت مولاه فعلى مولاه یعنی جس کا میں حاکم و متصرف فی الامر ہوں اُس کے علی بھی مولا و حاکم ہیں یہ سنکر عمرؓ نے کہا کہ مبارک ہو مبارک ہو اے ابوالحسن آپ نے آج صبح کی در آنحالیکہ آپ ہر مؤمن و مؤمنہ کے مولا و حاکم ہو غزائی کہتے ہیں کہ یہ امر مسلم ہے اور اس پر سب راضی ہوئے اور علیؓ حاکم قرار پائے پھر بعد اس رضا مندی و خلافت علیؓ کے قبول و تسلیم کر لینے کے خواہش نفس حب ریاست کے لئے غالب آگئی اور لوگوں نے چاہا کہ تنون خلافت بلند ہو اور علمہائے حکومت مقرر کئے جائیں اور نشانات ریاست ہو اسے متحرک ہوں اور لشکر کے گھوڑوں کے اجتماع کی کثرت ہو امصار و دیار فتح کئے جائیں اسی خواہش نے ان لوگوں کو جب ریاست کا جام پلا دیا۔ پس وہ سب پہلی سی مخالفت کی

طرف لوٹ آئے اور اُن کے حال کی مثال قول باری تعالیٰ کے مطابق ہو گئی کہ ارشاد
 فرماتا ہے پس چھوڑ دیا اُنھوں نے اُس کو پس پشت اپنے اور مول لے لیا اُنھوں نے
 بعوض اُس کے ایک قلیل قیمت کو اور حسان بن ثابت پس اُنھوں نے بروز غدیر خم
 چند اشعار مدح جناب امیر المومنینؑ میں تصنیف کئے کہ جو مشہور ہیں اُن میں بھی تصریح
 ہے کہ مولیٰ سے مراد امام ادنیٰ بالتصرف ہے۔ اور جناب رسول خدا صلعم نے اُن
 اشعار کو قبول فرمایا۔ اور حسان بن ثابت کی اس مدح پر تعریف فرمائی۔ اور حارث
 بن نعمان فہری کی نسبت امام ثعلبی کہ جو اہل سنت کے پیشوا اے مفسرین میں سے ہیں
 وہ شان نزول قول باری تعالیٰ سأل سائل بعد اب واقع کی یہ بیان کرتے ہیں کہ
 جب جناب رسالتا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بمقام غدیر خم لوگوں کو ندا کرائی
 اور اُن کو جمع فرمایا۔ پس جبکہ وہ لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے امیر المومنینؑ کا ہاتھ
 لیکر بلند کیا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ ارشاد فرمایا اور یہ خبر تمام شہروں میں
 مشہور ہوئی اور حارث بن نعمان فہری کو بھی پہونچی۔ پس وہ جناب رسول خدا صلعم
 کی خدمت میں اپنے ناتھ پر سوار ہو کر آیا جبکہ مقام ابطح میں پہونچا تو اپنے ناتھ سے اترا
 اور ناتھ کو باندھ دیا پھر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جناب ایک گروہ اصحاب
 میں تشریف فرما تھے حارث کہنے لگا اے محمدؐ آپ نے نہیں یہ حکم دیا کہ خدا سے واحد کی
 ہم عبادت کریں اور آپ کو اُس کا رسول تسلیم کریں ہمنے اس کو آپ کے کہنے سے منظور
 و قبول کیا۔ پھر آپ نے نماز پنجگانہ کا حکم دیا پس ہمنے اُس کو بھی مانا۔ آپ نے یہ بھی حکم
 دیا کہ شہر رمضان کے روزے رکھو اُس کو بھی ہمنے قبول کر لیا پھر آپ نے ہم پر حج کا
 حکم واجب کیا اُس کو بھی ہمنے تسلیم کیا ان تمام باتوں پر آپ راضی نہیں ہوئے یہاں
 تک کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے اُن کو ہم پر فضیلت
 دیدی اور یہ فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ آیا یہ فعل آپ نے اپنی جانب سے

کیا ہے یا اس کا خدا نے حکم دیا ہے پس آنحضرت صلعم نے نعمان بن حارث فہری سے ارشاد فرمایا
 کہ قسم ہے اُس مبعود کی کہ سوائے اُس کے کوئی دوسرا خدا قابل پرستش نہیں میں نے اپنی طرف سے
 یہ نہیں کیا ہے بلکہ خدا کے حکم سے علی کو مولائے مومنین تم سب پر ظاہر کیا ہے یہ نکر نعمان بن حارث
 اپنی سواری کی طرف چلا اور کہتا جاتا تھا کہ خداوند جو کچھ محمدؐ نے اس وقت کہا ہے اگر یہ بات
 حق ہے پس تو ہم پر آسمان سے پتھر نازل کر یا ہلکو کوئی عذاب دردناک ہے راوی حدیث
 بیان کرتا ہے کہ نعمان بن حارث فہری اپنے ناقہ تک پہنچا تھا یہاں تک کہ خدا نے ایک پتھر
 آسمان سے نازل کیا جو اُس کے سر پر گرا اور اُس کے اسفل سے خارج ہو گیا پس نعمان قتل ہو گیا۔ پھر خداوند
 عالم نے یہ آیہ وافیۃ الہدیۃ نازل فرمایا سائلُ بعذابِ واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ
 ذی المعاج جبکہ یہ حدیث متواتر ہے جیسا کہ اس کے تواتر کو اکابر اہلسنت نے تسلیم کر لیا
 ہے اور اس کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے اور فضحاء قریش نے اس کو بخوبی سمجھ لیا ہے
 کہ معنی موتی کے اوئی بالتصرف کے ہیں۔ پھر ایسی حدیث میں قبح و جرح کرنا اور
 اُس میں ایسی بیجا تاویلیں کرنا کہ جن سے خواہ مخواہ عقل سلیم کو انقباض پیدا ہوتا ہے اس کا
 بجز عداوت و تعصب و عناد کے اور کوئی باعث نہیں ہے اور اگر جناب رسالتا
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُس مقام پر اور اس وقت اس خطبہ پڑھنے سے صرف یہی
 مقصود ہوتا کہ چونکہ یہاں سے قبائل عرب علیحدہ ہوتے ہیں لہذا اُن کو علیؑ کی محبت
 و نصرت کے لئے وصیت کر دی جائے جیسا کہ ابن روزبہان نے اس کا گمان کیا ہے
 اور نزول وحی امر فوری کے لئے نہی ہوئی ہوتی جیسا کہ علماء شیعہ نے ائمہ علیہم السلام
 سے روایت کی ہے تو ہر آئینہ جناب رسول خدا صلعم اس مقام پر پہنچنے سے قبل یہ
 تجویز قرار دیتے کہ میں جب اس مقام پر پہنچوں گا اور لوگ مجتمع ہوں گے تو خطبہ پڑھوں گا
 اور اس صورت میں ظاہر یہ تھا کہ آپ اُس روز بوقت صبح لوگوں کے جمع میں خطبہ
 ارشاد فرماتے نہ کہ روانگی کے بعد توقف کر کے اور ایسی دوپہر کی گرمی میں۔ بلکہ اگر ابن

روز بہان نے جو وجہ تحریر کی ہے وہ صحیح ہوتی تو اُس کی بنا پر یہ مناسب تھا کہ آنحضرت
ایام حج ہی میں اس خطبہ کو پڑھتے تاکہ وہاں ہر شخص اس کلام کو سماعت کر لیتا کیونکہ
یہ امر ظاہر ہے کہ حمقدرب عرب و عجم وغیرہ مالک کے لوگ ایام حج میں حاضر تھے اتنی تعداد
جناب رسالتؐ کے ہمراہ مکہ سے غدیر خم تک باقی نہیں رہی تھی بلکہ بعض لوگ مکہ میں
رہ گئے تھے اور جو اہل مین اور باقی جزیرۃ العرب کے تھے وہ لوگ مکہ سے مین اور جزیرۃ
العرب کے مقامات پر واپس چلے گئے تھے پس معلوم ہوا کہ اس وقت اور اس مقام
پر ایسی بات کا اعلان و اظہار جناب رسول خداؐ کی طرف سے ہرگز نہ تھا نہ اُس مقصد کھیلے
تھا جس کو ابن روز بہان نے بیان کیا ہے کہ اظہار محبت و نصرت کے لئے حضرتؐ نے
خطبہ پڑھا بلکہ یہ خطبہ پڑھنا اور علیؑ کو مونی و حاکم مومنین امت پر ظاہر فرمانا حکم و وحی الہی تھا
نیز اس لئے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ جب ایسی تکلیف کے وقت میں اور نامناسب وقت و جگہ
میں مضمون خطبہ سنا جائیگا تو زیادہ موجب اس کا ہوگا کہ ہمیشہ یاد رہے اور کبھی نہ فراموش
ہو سکے جیسا کہ مثل بیان کی گئی ہے کہ جو چیز کبے حاصل کی جاتی ہے وہ بہت کم بھولی
جاتی ہے۔ اور یہ اہتمام بلوغ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ ارشاد حسب مقتضائے الہی ہر
جناب رسالتؐ صلعم کا اس میں اجتہاد نہیں ہے جیسا کہ بعض اہلسنت نے اس کو تجویز
کیا ہے اور اس ابلاغ حکمت الہی میں اور بہت سی حکمتیں اور نشانیاں ظاہر و روشن
ہیں اور ان چیزوں میں سے جو اس امر پر دلالت صریح رکھتی ہیں یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنے
الہییت علیہم السلام کی محبت و نصرت کا ابلاغ فرمانا بعد اسکے کہ اُس کو کبریات و مرآت
اپنی زبان سے بیان فرما چکے تھے موجب ایسی تاکید و مبالغہ کے نہ تھا کہ وہ اس طرح سے
اپنے نبیؐ کو خطاب فرماتا کہ اگر تم نے اس فعل کو انجام نہ دیا تو گویا تم نے کوئی حکم احکام خدا
تعالیٰ کا ابلاغ نہیں کیا پس معین ہو گیا کہ مراد خدا کی ابلاغ ایسے حکم کا ہے کہ جس کے
ابلاغ سے مجموع احکام کا ابلاغ محقق ہو اور اسی حکم سے خداوند عالم کو دین کا کامل کرنا

اور اپنی نعت کا تمام کرنا مقصود مطلوب ہو اور تحقیق کہ وہ وہی حکم ہے جو تمام قوم پر شاق اور شوار تھا اور وہ
یہ ہے کہ اصول دین اسلام کی پانچویں اصل کو نصب علی امیر المؤمنین علیہ السلام سے معین فرمادیں اور اُن
جناب کی امامت کا ظاہر کرنا اور انکی اطاعت کا تمامی خلقت پر واضح کرنا مقصود تھا کیونکہ خداوند عالم جانتا
تھا کہ تمام قوم کے دل عداوت و بغض علی سے ملائیں کہ انہوں نے ہمراہ جناب رسولی صلعم غزوات اسلام میں اپنے
باپچائوں اور اولاد و اقارب کو قتل کیا تھا جیسا کہ روایت ثعلبی سے (جو کھٹے اکابر اہل سنت ہیں) اور دیگر
اکابر قوم کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے پس گویا حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جو کچھ سمجھئے آپ پر حکم ایجابی فوری نازل
کیا ہے اسکو آپ امت تک پہنچا دیجئے اور وہ یہ کہ علی کو امامت کیلئے معین کر دیجئے اور اگر اس حکم کی تبلیغ میں کوتاہی
کی اور اُس کو نہ پہنچایا تو آپ مثل اُس شخص کے ہونگے کہ اُس نے کوئی حکم نہ پہنچایا ہو
اور مثال اس کی یہ ہے کہ اگر مکلف تمام اُن چیزوں پر ایمان نہ لائے جن کو کہ مولع خدا کی طرف
سے لائے ہیں بلکہ بعض عقائد پر ایمان لائے اور بعض کا معتقد نہ ہو یا یا مکلف مثل اُس
شخص کے ہے کہ جو کسی چیز پر ایمان نہیں لایا ہے پھر چونکہ خداوند عالم یہ بھی جانتا تھا کہ یہ امرا ہم
رسول پر دشوار ہے اور قوم کے کینے اور دشمنی کا خوف ہے اسی لئے اطمینان نفس رسول اور
اُن جناب کی تسلی اور دشمنوں سے خوف نہ کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے **وَاللّٰهُ وَيَعِظُكَ**
مِنَ النَّاسِ پس ان تمام وجوہ و دلائل سے جو بیان کئے گئے ثابت ہو گیا کہ نص امامت تمام
ہو گئی اور وہ احتمال جو ابن روز بہان نے بیان کیا تھا دفع ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ بات جس کی طرف ابن روز بہان نے اپنے کلام میں اشارہ کیا
کہ آنحضرت صلعم نے روز غدیر خم امیر المؤمنین علیہ السلام کو اپنی نفس مبارک سے مساوی قرار دیا
امرو لایت و محبت و نصرت میں اور اس بیان سے مقصد اُس کا یہ ہے کہ لفظ مولیٰ بمعنی
اولیٰ بالتصرف نہیں ہے بلکہ مولیٰ بمعنی محبت و نصرت کے ہے تو یہ قول اُس کا قابل سماعت
نہیں ہے ہاں البتہ اس حدیث کے آخر الفاظ یعنی **وَاللّٰهُ** سے صاحب موقوف
نے معارضہ کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ صیغہ مفعول بمعنی اُفعل کو ائمہ لغت عربی میں سے

کسی نے ذکر نہیں کیا ہے اور صاحب مواقف نے یہ بھی کہا ہے کہ استعمال لفظ بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ مولیٰ بمعنی اولیٰ نہیں ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ یوں کہیں اولیٰ من کذا اور اولیٰ الرجلین واولیٰ الرجال نہ کہ مولیٰ الرجلین و مولیٰ الرجال اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہاں لفظ مولیٰ سے مراد اولیٰ ہے پس سبکی کیا دلیل ہے کہ مراد اولیٰ سے اولیٰ بالتصرف اور اولیٰ بالتبذیر ہے بلکہ جائز ہے کہ اس مراد یہ ہو کہ یہ اولیٰ ہیں کسی امر میں اور امور سے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ان اولیٰ الناس بابراہیم للذین اتبعوه میں مراد اولویت اتباع میں ہے اور اختصاص میں اور قرب میں ہے نہ مراد اولویت تصرف میں ختم ہوا کلام صاحب مواقف کا جناب قاضی سید نور اللہ شوشتری شہید ثالث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں صاحب مواقف کے اس قول میں بہت سے تصرفات نظر ہیں ایک نظریہ یہ ہے کہ مقدمہ متواترہ یعنی الست اولیٰ بکم جبکہ اولیٰ بالتصرف کا مقضیٰ ہو چکا ہے تو پھر اللہم وال من واکلاہ کا جملہ مقضیٰ اس کا نہ ہوگا کہ معنی مولیٰ کے بالجملہ ہوں علاوہ اسے حدیث کا یہ آخری حصہ جملہ دعائیہ ہے اور جملہ مستانفہ ہے اُس کو وہ ربط و وسط حدیث سے نہیں ہے جو کہ مقدمہ حدیث کو وسط حدیث سے ہے (قول مترجم یعنی الست اولیٰ بکم من انفسکم اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں جو ربط ہے وہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اللہم وال من واکلاہ میں نہیں ہے کیونکہ اللہم وال من واکلاہ جملہ دعائیہ ہے جو بعد ختم مقصود شروع ہوا ہے) پس اس جملہ کا اشارہ بعد فرض معارض نہ ہوگا دلالت مقدمہ حدیث کے جو کہ الست اولیٰ بکم ہے اور اصل حدیث اُس پر مبنی ہے اور علاوہ اس کے صرف مناسبت مقدمہ سے تعیین مراد پر استدلال ہم نے نہیں کیا ہے بلکہ اصل دلیل وہ ہے جس کو ہم نے تعیین مراد میں بیان کیا ہے کہ اُس مقام خاص پر آنحضرت کا نزول اجلال فرما کر اور سب اصحاب کو جمع کر کے الست اولیٰ بکم فرما کر اپنے اولیٰ

بالتصرف ہونے کا اقرار لے لینا اُس کے بعد من کنت موکلاہ فعلی موکلاہ فرمانا دلیل ہے
 کہ مولیٰ بمعنی بالتصرف اور اس صورت میں مقدمہ حدیث (المست او لی بکمر من
 الفسک) کی مناسبت غنیمہ استدلال ہے پھر میں اس سے بھی زیادہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں
 کہ آخری حصہ حدیث کا ہمارے لئے مفید ہے مضر نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرت صلعم کا
 اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من حذله
 فرمانا نہیں لائق ہے اُس شخص کے واسطے کہ اُس کے کچھ لوگ دوست ہوں اور کچھ دشمن ہوں
 اور اُس کی نصرت کی ضرورت ہو اور اُس کے چھوڑ دینے کا خوف ہو اور یہ مرتبہ کسی کا
 نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ سلطان ہو (بادشاہ) یا امام جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے۔ دوسرے کہ استعا
 صیغہ مفعول کا بمعنی افعل کے ایسا ہے کہ اُس کو شایع جدید کتاب تجرید نے ابی عبیدہ
 سے نقل کیا ہے اور ابو عبیدہ ائمہ لغت سے ہیں اور اُس نے قول باری تعالیٰ۔
 مولک النار کی تفسیر اوئی سے کی ہے اور خود جناب رسالتا ب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایما امرأة نکحت بغیر اذن موکلاہ اس میں بھی موکلاہ سے
 مراد وہی شخص ہے جو اُس غورت کا ولی اور مالک تدبیر ہو اور اُس کی مثال اشعار
 عرب میں بھی بہت پائی جاتی ہے کہ لفظ مولیٰ سے اوئی مراد لیا جاتا ہے پس استعمال
 لفظ مولیٰ کا بمعنی متولی و مالک امر اور اوئی بالتصرف کے تمامی کا ام عرب میں شائع
 ہے اور ائمہ اہل لغت سے منقول ہے اور مراد یہ ہے کہ لفظ مولیٰ اسم ہے بمعنی اوئی کے نہ
 کہ صفت مثل اوئی کے ہوتا کہ اس میں یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ صیغہ اسم تفضیل کا نہیں
 ہے اور اُس کا استعمال مثل صیغہ تفضیل کے نہیں ہوتا۔ نیز ایک یہ امر بھی قابل غور ہے
 کہ دو لفظوں کا ایک معنی میں ہونا اس کا مقتضی یہ نہیں ہے کہ اُن دونوں کا استعمال بھی
 ایک دوسرے کے صلہ کے ساتھ جائز قرار دیا جائے کیونکہ لفظ کا کسی لفظ سے متصل ہونا
 عوارض الفاظ سے ہے نہ کہ عوارض معانی سے یعنی ایک لفظ کے ساتھ کسی لفظ کا بطور

صلہ کے آنا اُس کی لفظیت کی وجہ سے ہوتا ہے معنوں کی وجہ سے نہیں ہوتا پس اولیٰ کے ساتھ
 من آسکتا ہے اور مولیٰ کے ساتھ من کا آنا ضروری نہ ہوگا اگرچہ مولیٰ اولیٰ کے معنوں میں
 ہے نیز یہ کہ لفظ صلوٰۃ مثلاً دعا کے معنوں میں ہے اور صلوٰۃ مقترن ہوتی ہے لفظ علی سے
 اور دعا مقرون ہوتی ہے حرف لام سے چنانچہ کہتے ہیں صلی علیہ (دعا لہ) یعنی اُس نے
 آنحضرت پر صلوات بھیجی اور آنجناب کے لئے دعا کی اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ دعا علیہ
 کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ دعا علیہ تو اس وقت میں بددعا کے معنی ہو جائیں گے اور تحقیق
 شیخ رضی نے لفظ علم و معرفہ کی تصریح کی ہے حالانکہ علم متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف
 اور معرفہ متعدی نہیں ہے دو مفعولوں کی طرف اور اسی طرح استعمال ہوتا ہے انت
 عالمہ اور یہ نہیں کہتے کہ انت عالمہ یا وجودیکہ ضمیر متصل و منفصل اس مقام پر ہم معنی
 ہیں جیسا کہ اہل لغت نے اس کی تصریح کر دی ہے اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں
 اور منجملہ امور نظریہ ہے کہ آنحضرت صلعم کا لفظ اولیٰ کو بانفسک سے مقید کرنا اس امر کی
 دلیل ہے کہ مراد اولیٰ سے اولیٰ بالتصرف ہے نہ کہ اولیٰ اور کسی امر میں اور یہ امر اس
 وجہ سے ہے کہ اولیٰ ہونا تمام آدمیوں سے اُن کے نفوس سے اسکے کوئی معنی نہیں ہیں بجز
 اسکے کہ یہ مراد ہو کہ وہ اولیٰ ہیں آدمیوں سے اُن پر حکومت و تصرف کرتے ہیں اور اسی
 مقام سے یہ واضح ہو گیا کہ دلیل لانا صاحب مواقف کا قول حق تعالیٰ ان اولی الناس
 بابراہیم للذین اتبعوا سے درست نہیں ہے کیونکہ اُس میں ان اولی الناس
 بابراہیم من نفسہ نہیں ہے تو اگر اُس میں اولیٰ سے اولیٰ بالتصرف مراد ہو گیا
 ضرر ہے اور اگر اُس میں بالفرض من نفسہ کی قید ہوتی تو ضرور اولیٰ بالتصرف کے معنی ہوتے
 لہذا معارضہ و استشہاد صاحب مواقف بالکل نادرست ہے۔

چوتھی وجہ یہ کہ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ اگر مصنف انصاف کرے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت
 نے روز غدیر خم خلافت علیؑ پر رضی جلی نہیں فرمائی ہے انصاف سے خالی ہے اور انتہائے

نصف و ظلم پر مشتمل ہے کیونکہ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ بہترین عرب قبیلہ قریش تھا کہ جو مکہ سے
 مدینہ تک پھیلا ہوا تھا اور یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ سب علی بن ابی طالب کے منحرف تھے
 کیونکہ ان کے سینوں میں آنحضرتؐ کی طرف سے ایام جاہلیت کے کینے و دشمنیاں بھری تھیں
 جیسا کہ بعد کو اس کا اعتراف ابن روضہ بہان نے بھی کیا ہے اور باقی طوائف عرب جو تھے وہ سب
 رعایا میں تھے اور ان کو نہ کوئی سبقت اسلام میں تھی نہ احکام دین میں نہ انہیں اس معاملہ میں
 کوئی مابست پیدا ہوئی تھی تاکہ ان کا خلافت کا قبول کرنا یا ان کا اس سے مخالفت کرنا قابل
 توجہ و اعتبار ہو سکے اور منشاء مخالفت ان طوائف عرب کا جنہوں نے ابوبکر کو ان کے زمان
 خلافت میں زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اور ابوبکر نے ان کا نام اہل الردہ رکھا تھا یہ تھا کہ
 وہ خلافت الہدیت علیہم السلام کی حقیقت کا اعتقاد رکھتے تھے اور خلافت ابوبکر کی قدح کئے
 تھے جیسا کہ اسکو صاحب کتاب فتوح نے قبیلہ بنی حنیف و بنی کنذہ وغیرہم سے نقل کیا ہے اور
 ہنہ اپنی کتاب مجالس المؤمنین میں اس کا ذکر کیا ہے اور اسکی تائید کرتا ہے وہ قول حبکو
 ابن حزم نے مسئلہ احکام مرتدین کے متعلق اپنی کتاب محلی میں ذکر کیا ہے کہ اہل ردہ کی دو قسمیں
 تھیں -

پہلی قسم وہ ہے جو قطعاً ایمان نہیں لائی مثل اصحاب میلہ و سجاح کے پس یہ لوگ اہل
 حرب سے ہیں کہ انھوں نے اسلام کو قبول ہی نہیں کیا پس اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے
 کہ نہ ان کی توبہ قبول ہے نہ ان کا اسلام صحیح ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جس نے اسلام کو قبول کیا اور بعد اسلام لانے کے پھر کفر نہیں کیا
 لیکن انھوں نے ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور اسی جرم پر وہ قتل کر دیے گئے اور
 اس بارے میں حنفی و شافعی اختلاف نہیں کرتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے اصلاً
 حکم مرتد ہونے کا نہیں ہے کیونکہ انھوں نے عرف امر زکوٰۃ میں فعل ابوبکر کی مخالفت کی
 مگر لہذا ہم ان کو اہل ردہ نہیں کہہ سکتے ہیں اور دلیل اسکی وہ اشعار ہیں حطیہ شاعر کے

جن میں وہ کہتا ہے ترجمہ اشعارِ حطیہ اطاعت کی ہمنے رسولِ خدا کی جہتِ پاک وہ جناب ہمارے
 درمیان میں رہے پس افسوس ہے کہ کیا حال ہوگا دین ابو بکر کی اطاعت کرنے میں آیا بعد
 وفات ابو بکر کیا اُس کا بیٹا اُس کی خلافت کا وارث ہوگا پس قسم بجزایہ بات اسلام کی
 پشت توڑ دینے والی ہے اور تحقیق کہ وہ چیز جس کا تم نے مطالبہ کیا اور اُس سے منع کئے گئے
 ہمارے نزدیک یہ تیرے لئے مثلِ خرمہ ہے یا خرمہ سے زیادہ شریں تر ہے پس اے کاش
 کہ میں اپنے ناقہ کی کاٹھی کے گرد رہتا اُس شام کو جبکہ ہم تعاقب کرتے تھے ابو بکر کا نیزوں
 سے بالجملہ جمہور کا نص کو مخفی رکھنا یہ امر عادیہ بعید نہیں ہے خاص کر جبکہ دواعیِ احتمال کے
 موجود ہوں جیسا کہ تجکو معلوم ہے (خلافت امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں) اور یہ امر
 ویسا ہی ہے کہ جیسے تیس برس تک بعد نزول وحی کے شب و روز میں پانچ مرتبہ رفع
 یدین کی سنت ہوئے پراور شب و روز کے تین اخفایہ نمازوں (ظہرین و عشاء) میں جہر
 بسم اللہ الرحمن الرحیم کے مسنون ہونے پر غصہ ہوتی رہی لیکن ان دونوں پر تو اثر نہیں ہوا کہ
 کہ اس کی مخالفت کسی نے نہ کی ہو حالانکہ کثرت دواعی کے موجود تھے اور اسی طرح کا
 حال ہے فضول و اجزاء اذان اور مسج و غسل و وضو وغیرہ کا اور حدیث غدیر کے ساتھ
 صحابہ کا احتجاج نہ کرنا اُن کے معصوم ہونے کی تقدیر پر ہے (یعنی اگر صحابہ معصوم ہوتے
 تو ضرور اس حدیث سے حجت لاتے) اور تم لوگ تو انبیاء سے گناہانِ صغیرہ کا عذابِ مسدود ہونا
 اور گناہانِ کبیرہ کا قتل وحی عمل میں لانا تجویز کرتے ہو پس غیر انبیاء کے لئے کیا کچھ نہ تجویز کرتے
 ہو گے بہر حال مقصود یہ ہے کہ جب مسائل مذکورہ شب و روز کے لئے باوجودیکہ نص موجود
 تھی تیس برس تک اختلاف نہ مٹا یا دوامروں میں سے ایک کا معین ہونا جمیع اہل اسلام
 کے نزدیک ثابت و متحقق نہوا تو وہ امامت کہ جس پر اس آیت یا اسکے غیر نے ایک یا دو یا تین
 مرتبہ اس مدت میں نص کی گئی ہو اُس پر اتفاق کا نہونا بطریقِ اولیٰ ممکن ہوگا۔

۱۔ اے کہ ماہینِ حنفیہ و شافعیہ ان باتوں میں اختلاف واقع ہے کیونکہ حنفیہ رفع یدین دہر نہیں کرتے ہیں۔ ۲۔ مترجم

بعض حنفیہ نے کتاب تحقیق کی شرح میں بحث خبر واحد میں بیان کیا ہے کہ قبول خبر واحد کے لئے چند شرطیں ہیں اُن میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ظہور اختلاف کے وقت متروک الاحتجاج نہ ہو پس جبکہ اُنھوں نے اُس جز کے ساتھ احتجاج کو ترک کیا تو وہ خبر ہمارے بعض اصحاب متقدمین اور عامہ متاخرین کے نزدیک مردود ہے اور اصولیین اور اہل حدیث نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں کہ اگر حدیث کی سند ثابت ہو جائے تو خلاف کرنا صحابی کا اُسکے ساتھ اور اُس پر عمل نہ کرنا اور اُس سے احتجاج نہ کرنا موجب اُس کے رد کا نہیں ہے کیونکہ ایسی حدیث تمام خلق پر حجت ہوگی اور صحابی پر وہ حجت ہوگی جیسے کہ غیر صحابی پر ختم ہوا کلام صاحب تحقیق کا اور غور و تامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے جہلاۃ مثلہ کا امیر المؤمنین علیہ السلام پر مقدم ہونا ایک ایسی غلطی ہے کہ جو ہوئی اور مشہور ہو گئی یہاں تک کہ وہ آدمیوں میں مذہب قرار پائی وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض کو تو اس معاملہ میں کوئی تمیز ہی نہ ہوئی اور بعض کے لئے اظہار حق کی قوت و طاقت نہ تھی یا اُن کے لئے اس معاملہ میں وہ شبہہ ڈال دیا گیا جس کو ہم بیان کر آئے ہیں اور اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے فاضل فقہ ازانی نے شرح تلخیص میں کہا ہے کہ لفظ تلخیص مصدر ہے تلخ الشعر کا جسکے معنی شے تلخ لانے کے ہیں اور یہ خطا ہے شاح علامہ کی کہ جو ناشی ہوئی ہے اس امر سے کہ اُنھوں نے تلخ اور تلخ کو برابر قرار دیدیا ہے اور دونوں کی تفسیر یہ کی ہے اشارہ کیا جائے طرف قصہ مثل و شعر کے پھر یہ غلطی ایسی مشہور ہوئی کہ ایک مذہب ہو گئی بسبب عدم تمیز کے اور اکثر ایسا ہوا ہے واسطے علمائے محققین کے جیسا کہ واقع ہوا ہے علامہ ابن حاجب کے لئے بحث کلمہ لو میں کہ اُس نے رجوع کیا ہے طے بقول حکماء کے اور ترک کر دیا ہے اقوال متقدمین اہل عرب کو اور تم اس کلام کو خوب سمجھو۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمۃ

تیسری آیت انما یرید اللہ لیدھب عنکم الجس اهل البیت ویطہرکم
تظہیرا ہے اس آیت پر مفسرین نے اجماع کیا ہے اور جبہ و علمائے مثل احمد بن حنبل وغیرہ
کے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے
اور ابو عبد اللہ محمد بن عمران مرزبانی نے ابی الاحمر اسے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں
نویادس مہینہ تک آنحضرت صلیع کی خدمت میں حاضر رہا دیکھا میں نے کہ وہ حضرت ہر صبح
کو دو تسرا سے برآمد ہو کر علیؑ کے دروازہ پر تشریف لاتے اور دونوں بازو دروازے کے
پکڑ کے ارشاد فرماتے تھے السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ پس اسکے جواب
میں علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ علیہم السلام کہتے تھے کہ علیک السلام یا نبی اللہ ورحمة
اللہ وبرکاتہ پھر آپ فرماتے تھے کہ الصلوٰۃ رحمکم اللہ انما یرید اللہ لیدھب
عنکم الجس اهل البیت ویطہرکم تظہیرا۔ یعنی اے البیت نماز کا وقت ہے
نماز پڑھو خدا تم پر رحمت نازل کرے جزئے نیست کہ خدا ارادہ کرتا ہے کہ تم سے ہر جس و
عیب کو دور رکھے اور تم کو پاک و پاکیزہ رکھے جو حق ہے پاک رکھے گا اسکے بعد اپنے
مصلے پر نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے
کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ کیا پس واجب ہے کہ وہ جناب اپنے
اس دعویٰ میں صادق ہوں ختم ہوا کلام علامہ کا۔

قول بن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ اجماع کرنا مفسرین کا اس آیت پر کہ علیؑ کی شان میں نازل ہوئی خلا
واقع ہے کیونکہ مفسرین نے اس پر اجماع نہیں کیا ہے بلکہ اکثر اسکے قائل ہوئے ہیں کہ

آیت ازواج رسول کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہی امر ترتیب و نظم قرآن مجید کے بھی مناسب ہے خدا فرماتا ہے یا نساء النبی لستن کاحدا من النساء ان اتقین فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکم ولا تبرزن تبرج الجاهلیۃ الاولی و اقمن الصلوۃ واتین الزکوۃ و اطعن اللہ ورسوله انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اهل البیت و یتطہرکم تطہیرا۔ یہ نص قرآن مجید کی دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ یہ آیت ازواج نبی کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت ضمن میں ان کے حکایات اور ان کے خطاب کے مذکور ہے لیکن جبکہ خدا نے صیغہ خطاب مونث سے صیغہ خطاب مذکور کی طرف عدول کیا ہے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہو کل اہلبیت رسول کی شان میں خواہ وہ مذکور ہوں یا ناٹ پس اس طرح سے علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام و ازواج سب کے لئے شامل ہوگی اور اس شان نزول کے موافق جس یہاں محمول طہارت پر تمام ذنوب سے نہیں ہے بلکہ جس سے مراد شرک ہے اور بڑے بڑے فواحش ہیں مثل کبیرہ زنا کے جیسا کہ اسی بات پر سابق آیت دلالت کرتی ہے یعنی فیطمع الذی فی قلبه مرض اور اگر ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں کہ جس سے مراد ظہار تامی گناہوں سے ہے لیکن یہ امر مسلم نہیں ہے کہ علی علیہ السلام نے اپنے نفس کے لئے امارت کا دعویٰ کیا اور اگر ان جناب نے امامت کا دعویٰ کیا ہوتا تو عاجزی کے ساتھ مخفی طور سے نہ کرتے اس لئے کہ آپ میں قوت و شجاعت اور اعوان و کثرت قبائل و عشائر و شرافت قوم و دیگر فضائل موجود تھے۔

پھر اگر جس کے معنی گناہ کے لئے جائیں تو عائشہ سے گناہ روزِ جمل کا مواخذہ نہ کیا جائے گا کیونکہ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت عائشہ و دیگر ازواج کے لئے نازل ہوئی ہے پس ایسی حالت میں اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ختم ہوا قول ابن روضہ بہان۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ جَنَابِ شَيْخِ كَثَلْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

ابن روزبہان کے اس قول میں کمی وجہوں سے نظر ہے پہلے یہ کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مراد مصنف علیہ الرحمہ کی اس مقام پر اور مثل اس کے دیگر مقامات پر اجماع مفسرین کے اتفاق مفسرین اہل تشیع و اہل سنت ہے اور یہ بات محقق ہو جاتی ہے بعض مفسرین اہل سنت کے اتفاق کر لینے سے شیعوں کے ساتھ اور یہ بات محقق ہے کہ جس چیز کی طرف ایک گروہ کے لوگ جو ان کے مقابل ہوں اُس میں موافقت کریں تو وہ چیز حجت ہو جائے گی سب پر اور نیز ہم نے اس کے قبل بیان کیا ہے کہ مراد مصنف کی ان کی دعوائے اجماع سے وہ اجماع ہے کہ جو قبل ظہور مخالفت تھا اور مخالف تازہ پیدا ہوا ہے جس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے ابن روزبہان نے یہ نہیں ذکر کیا کہ اکثر مفسرین مخالفین کون ہیں جنہوں نے ادعا کیا ہے اور کسی کا نام نہیں لیا ہے بلکہ ابن روزبہان کی تکذیب کی ہے اس باب میں اُس شخص نے جو اُس سے اعلم ہے علم حدیث و تفسیر میں اُن کے مشائخ سے کیونکہ شیخ ابن حجر نے کتاب صواعق میں بیان کیا ہے کہ اکثر مفسرین اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت علی وفاطمہ و حسنین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی بسبب ضمیر مذکر عنکم کے۔

دوسرے یہ کہ ابن روزبہان نے مناسبت قرآن کا جو ذکر کیا ہے تو اُسکی عایت اُس وقت واجب ہوگی جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور اس مقام پر بالکل واضح ہے کہ ضمیر عنکم و لبطہم اور نیز بعض دوسرے قرآن خارجیہ جن کا ذکر آئینکا وہ یہاں مانع موجود ہیں اس امر کے کہ ارجوح مراد لی جائیں اور مفسرین میں سے جو لوگ اس مناسبت پر نظر کے اسکے قائل ہوئے ہیں کہ آیت خصوص ازواج کے لئے ہے اُنہوں نے اپنے نفس کو شام کے اس قول کا مورد قرار دیا ہے کہ ایک چیز کو تو نے یاد کر لیا ہے اور بہت سی چیزیں تجھے غائب ہو گئی ہیں۔ علاوہ اسکے تغیر خطاب میں اُن آیات کے کہ باہم قریب بیان کئے گئے

ہیں اہلبیت و ازواج کے لئے اس میں ایک باریک بات ہے کہ ازواج کا ایک درجہ ہے اور اہلبیت کا دوسرا درجہ ہے خدا کے نزدیک۔

تیسرے یہ کہ قول اُس کا نص قرآن دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہ آیت ازواج کی شان میں نازل ہوئی پس اگر اس سے مراد اُسکی اُن آیات سے ہے کہ جس کو اُس نے ذکر کیا ہے اور وہ سابق ہیں آیت تطہیر پر کہ جن کو مصنف نے ذکر کیا ہے تو مسلم ہے کہ وہ دلالت کرتی ہیں اسی امر پر کہ اُن سے ازواج مراد لی جائے لیکن اس مراد لینے سے ابنِ زہبان کو کوئی نفع نہیں ہے اور اُس نے اپنے اُس قول سے آیات سابقہ و آیت تطہیر سب کو شامل کر کے عام اشارہ کیا ہو تو آیت تطہیر کا ازواج کی شان میں نازل ہونے پر دلالت کرنا ظاہر البطلان ہے بلکہ وہ آیت نص ہے ازواج کے مقصود نہ ہونے پر جیسا کہ تجھ کو بیان سبق سے معلوم ہوا اور آئندہ معلوم ہوگا لیکن اُس کا استدلال کرنا اس دلیل سے جس کو اُس نے اپنے فہم کے مطابق سمجھ ہے کہ یہ آیت چونکہ ضمن میں حکایت و خطاب ازواج کے ہے اس لئے آیت تطہیر سے مقصود ازواج ہیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ پہلی آیت نزول ازواج کے بارے میں اس امر کو منع نہیں کرتی ہے کہ جو آیت اُس کے ضمن میں ہو اور اُس کے متصل بعد اُس آیت کے غیر ازواج کے لئے نازل نہ ہوئی ہو اور جبکہ غیر ازواج کے مراد ہونے پر دلیل بھی قائم ہو اور وہ دلیل یہ ہے کہ آیت تطہیر میں ضمیر عنکم و بیطہرکم موجود ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کو جمع کیا اور اُن کو کسا زندقی اور زہادی پھر فرمایا یہی میرے اہلبیت ہیں اے خدا تو ان سے ہر جس کو دور رکھ اور اُن کو پاک رکھ جو حق ہے پاک رکھنے کا اور اسی طرح وہ روایت ہے جس کو مصنف رحمہ اللہ نے محمد بن عمران سے روایت کیا ہے اور یہ وہ روایت ہے کہ جس کو شیخ ابن حجر نے صواعق مرقومہ کے باب عاشر میں نقل کیا ہے چنانچہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم سے روایت

ہے انھوں نے کہا کہ فرمایا جناب رسول خدا صلعم نے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں اپنے اہلبیت کے بارے میں راوی کہتا ہے کہ ہم نے زید بن ارقم سے دریافت کیا کہ اہلبیت اُن جناب کے کون ہیں کیا آنحضرت کی ازواج ہیں۔ زید ابن ارقم نے کہا کہ نہیں قسم بخدا تحقیق کہ زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک مدت تک رہتی ہے پھر جبکہ شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیدیتا ہے تو وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے اور اپنی قوم کی طرف رجوع کرتی ہے اہلبیت رسول آنحضرت کے اصل اور وہ اقارب قریب رسول صلعم ہیں کہ جو صدقہ سے محروم رہے بعد آنحضرت کے (یعنی جن بزرگواروں پر صدقہ حرام ہوا مترجم) اور یہ حدیث جامع الاصول میں بھی مذکور ہے۔ جناب علامہ شہید ثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ زید بن ارقم کے اس قول سے کہ زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک مدت تک رہتی ہے اور بعد طلاق اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے۔ الی آخر القول اس سے یہ ظاہر ہے کہ طلاق اہلبیت کا ازواج پر موقوف وضع لغت کے نہیں ہے بلکہ یہ اطلاق طلاق مجازی ہے اور ممکن ہے مراد ابن ارقم کی یہ ہو کہ جو امر لائق ہے اس بات کے کہ اس حدیث کے امثال میں اہل البیت سے مراد لی جائے کہ اُس سے آنحضرت کے وہی اصل اقارب مراد ہوں کہ جن کی نسبت اُن جناب سے کبھی زائل نہیں ہو سکتی ہے نہ یہ کہ اہلبیت سے ازواج مراد ہوں اور دونوں تقدیروں پر یہ قول زید ابن ارقم کا موید مطلوب ہے (قول مترجم یعنی خواہ یہ مراد لی جائے کہ طلاق اہلبیت کا ازواج پر اطلاق مجازی ہے یا یہ کہ اس حدیث کے امثال میں اہلبیت سے ازواج کا مراد لینا مناسب نہیں ہے) اور سید المحدثین جمال الملۃ والدین عطاء اللہ الحسینی نے اپنی کتاب تحفۃ الاجار میں پانچ حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں سے دو حدیثیں وہ ہیں کہ جن کی سند جناب ام سلمہؓ تک پہنچتی ہے اور وہ اس بارے میں نص صریح ہیں کیونکہ ان میں کی ایک حدیث وہ ہے جسکو انھوں نے کتاب جامع ترمذی سے نقل کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حاکم نے اس حدیث کی صحت کا حکم دیا ہے وہ حدیث مشتمل ہے اس امر پر کہ

جب جناب رسالت صلم نے علیؑ اور فاطمہؑ اور حسین علیہم السلام کو زیر عباد داخل کیے انکی شان میں جو کچھ فرمانا تھا فرمایا اُس وقت جناب ام سلمہؓ نے آنحضرت صلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آیا میں آپ کے اہلبیت سے نہیں ہوں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہؓ سے فرمایا کہ تم نیکی پر ہو یا تم نیکی کی طرف ہو یعنی تمہارا مال بخیر ہے اور دوسری حدیث وہ ہے جس کو انھوں نے کتاب المصابیح تصنیف ابوالعباس احمد بن حنبل مفسر ضریح اسفرائینی سے شان نزول آیہ تطہیر میں نقل کیا ہے وہ حدیث مشتمل ہے اس امر پر کہ جب آنحضرت صلم نے امیر المؤمنین علیؑ و فاطمہؑ اور سبطین علیہم السلام کو زیر عباد داخل فرمایا تو خدا سے دعا کی کہ بارگاہا یہی سب اہلبیت ہیں اور میرے اقارب قریب ہیں پاک ہیں اور میری اصل سے پاکیزہ پیدا ہونے والے ہیں اور میری اصل ہیں جو میرے خون و گوشت سے ہیں ہماری رجوع تیری طرف ہو و طرف نار کے اے بار خدا یا ان سے ہر گناہ اور ہر امر قبیح کو دور رکھ اور ان کو پاکیزہ رکھ جو حق پاکیزہ رکھنے کا ہے اور آنحضرت صلم نے اس دعا کو تین مرتبہ تکرار ارشاد فرمایا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ اے رسول خدا میں بھی ان اہلبیت کے ساتھ ہوں آنحضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہارا انجام نیک ہے اور تم میری بہترین ازواج سے ہو۔ یہ بھر سید المحدثین بیان کرتے ہیں کہ ان حدیثوں سے یہ بات ثابت و محقق ہو گئی کہ آیہ تطہیر انھیں پانچ بزرگواروں کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہے یعنی خمسہ نجبا علیہم السلام کے بارے میں اور یہی وجہ ہے کہ ان کو آل عبا کہتے ہیں چنانچہ بعض اہل کمال نے کیا خوب نظم کیا ہے علی اللہ فی کل الامور توکل + وبا لخص اصحاب العباء تو سلی + محمد المبعوث حقاً و بنتہ + و سبطیہ ثم المقتدی للرضی علی یعنی میں تمام امور میں خدا پر توکل کرتا ہوں اور اپنے جملہ امور میں آل عبا علیہم السلام سے توکل کرتا ہوں کہ جو پانچ بزرگوار ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جو رسالت و نبوت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کی بیٹی فاطمہؑ زہراؑ اور آنحضرت کے دونوں نواسے حسین علیہا السلام اور امیر المؤمنین

علی علیہ السلام کہ جو ہمارے مقتدی ہیں اور یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ احادیث معارض ہیں اُس
 روایت کے کہ جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ اُن معظّم نے جناب رسول خدا صلعم سے عرض
 کیا کہ میں آپ کے اہلیت سے نہیں ہوں تو آنحضرتؐ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں
 انشاء اللہ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر صحت نہ
 حدیث کو بھی ہم تسلیم کر لیں تو ہم کہیں گے کہ جناب ام سلمہؓ کا اہلیت سے ہونا اس روایت میں
 خداوند عالم کی مشیت پر معلق ہوا ہے پس جناب ام سلمہؓ اہلیت میں قطعاً داخل نہ ہو گئی یا وصف
 اسکے کہ اگر ام سلمہؓ اہلیت سے ہوتیں تو وہ معظّم جناب رسول خدا صلعم سے ایسا سوال نہ کرتیں کیونکہ
 حضرت ام سلمہؓ اہل زبان سے ہیں اُن سے یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا اور اگر معارضہ اس حدیث
 کا احادیث مذکورہ سے فرض کیا جائے تو ترجیح انھیں احادیث کو ہوگی اور یہ امر ظاہر ہے
 اور نیز اس آیت سے ازواج اسلے مراد نہیں ہو سکتیں کہ عرف میں کسی شخص کے
 اہلیت سے اُسکے خاندان والے جو قرابت قریبہ رکھتے ہوں مقصود ہوتے ہیں اور ازواج
 مقصود نہیں ہوتے اور اہلیت سے اہل قرابت قریبہ ہی کے معنی ذہن کی طرف سابق
 ہوتے ہیں اور ہر زمانہ کے لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں اور یہی اشعار و اجازیں بھی متداول
 ہے پس کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو شعرا و نثرین اہلیت نبی کا ذکر کرے اور اُس میں
 اہلیت کو چھوٹکے ازواج کو مراد لے اور یہ امر ایسا ہے کہ اس سے کسی کو انکار ممکن نہیں ہے
 جناب علامہ شہید ثالث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پھر میں کہتا ہوں کہ مناقشہ
 جمہور کا اس مقام پر اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے آیت و حدیث میں بیت کو اُس بیت
 پر محمول کیا ہے کہ جو مئی و لکڑی سے بنایا گیا ہو اور مذمت ہے اُن حجروں پر کہ جن میں جناب
 رسالتاً بے مع اہلیت اور ازواج کے سکونت اختیار فرماتے تھے اور اگر بیت سے ہی گھر
 مقصود ہوتا جس کو جمہور نے سمجھا ہے تو اس صورت میں یہ احتمال ہو سکتا تھا لیکن یہ امر ظاہر
 ہے کہ مراد اہلیت سے اہلیت نبوت ہیں مطابق قول انھیں عرب کے ہے کہ اہل اللہ و

واہل القرآن۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ امر یعنی اہلیت نبوت سے ہونا کمال اہلیت و استقامت پر موقوف ہے جس کے انجام میں متصف بکذا اور رسول کی طرف سے منصوص اور معین ہونا لازم ہے جیسا کہ اہلیت کا منصوص اور معین بہ طہارت ہونا اس آیت مبارکہ اور حدیث میں واقع ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب ام سلمہؓ کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جناب رسالتاﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں کہ آیا ان میں زمرہ اہلیت علیہم السلام میں داخل ہونے کی قابلیت و اہلیت ہے یا نہیں جیسا کہ اس کے متعلق حدیث گزشتہ کی اور جو کچھ ہم نے اس بحث میں ذکر کیا ہے اس کے مافوق ایک امر اور ہے وہ یہ کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اختلاف آیت تطہیر میں باطل کی آیتوں کے ساتھ بطریق التفات ہوا نہ واج سے قبول کر کے طرف جناب رسالتاﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلیت کے ان معنوں سے کہ ازواج کا تادیب کرنا اور ان کو نیکی کی طرف رغبت دلانا یہ امر اہلیت علیہم السلام سے جس سے اور عیب دور کرنے کے لمحات سے ہو پس حاصل نظم و ترتیب آیت اس بنا پر ہے ہو گا کہ خداوند عالم نے ازواج نبی صلعم کو رغبت دلانی ہے کہ وہ پارسانی کریں اور نیکی اختیار کریں اس طرح پر کہ خداوند عالم نے ضرور ارادہ کیا ہے ازل میں کہ اسے اہلیت رسول تم کو معصوم قرار دے اور یہ بات مناسب ہے کہ جو معصوم کی طرف منسوب ہو وہ عقیقت اور صلح ہو جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ یعنی پاکیزہ کلمے پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور نیز ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس امر کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت ایک ہی مرتبہ اس ترتیب سے نازل ہوئی اور لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے مرقوم تھی اور کون مانے ہے اس مقام پر کہ آیہ اِنَّمَا يَرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ملاوہ وقت نازل آیا اِنَّمَا الصَّلٰوةُ وَالْزَّكٰوةُ کے نازل ہوا ہو اور عثمان یا کسی اور نے اس آیت کو ازواج کے آیت کے ضمن میں لکھ دیا ہو اس خیال سے تاکہ مراد آیہ تطہیر سے ازواج ہی کے جائیں اور ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے اس طرح پر آیات کی ترتیب کر دی ہو اور

واہل القرآن۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ امر یعنی اہلیت نبوت سے ہونا کمال اہلیت و
استقامت پر موقوف ہے جس کے انجام میں متصف بکذا اور رسول کی طرف سے منصوص اور
معین ہونا لازم ہے جیسا کہ اہلیت کا منصوص اور معین بہ طہارت ہونا اس آیت مبارکہ اور
حدیث میں واقع ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب ام سلمہ کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں کہ آیا ان میں زمرہ اہلیت علیہم
السلام میں داخل ہونے کی قابلیت و اہلیت ہے یا نہیں جیسا کہ اسکے متعلق حدیث گزشتہ
اور جو کچھ ہم نے اس بحث میں ذکر کیا ہے اس کے مافوق ایک امر اور ہے وہ یہ کہ کچھ بعید نہیں
ہے کہ اختلاف آیت تطہیر میں قبل کی آیتوں کے ساتھ بطریق التفات ہوا زواج سے متعلق
کر کے طرف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلیت کے ان معنوں سے
کہ ازواج کا تادیب کرنا اور ان کو نیکی کی طرف رغبت دلانا یہ امر اہلیت علیہم السلام
رجس سے اور عیب دور کرنے کے ملحقات سے ہو پس حاصل نظم و ترتیب آیت اس بنا پر
یہ ہو گا کہ خداوند عالم نے ازواج نبی صلعم کو رغبت دلانی ہے کہ وہ پارسائی کریں اور نیکی اختیار
کریں اس طرح پر کہ خداوند عالم نے ضرور ارادہ کیا ہے ازل میں کہ اسے اہلیت رسول
تم کو معصوم قرار دے اور یہ بات مناسب ہے جو معصوم کی طرف منسوب ہو وہ عقیف اور
صلح ہو جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے الطِّبَّاتُ لِلطِّبَّيْنِ یعنی پاکیزہ کھلے پاکیزہ لوگوں کے
لئے ہیں اور نیز ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس امر کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت ایک ہی مرتبہ اس
ترتیب کے نازل ہوئی اور لوح محفوظ میں اسی ترتیب کے مرقوم تھی اور کون مانے ہے اس مقام پر کہ آیت
اِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمُ تَطْهِيراً علاوہ وقت
نزل آیت اَقِمِ الصَّلَاةَ وَاَتِىَ الزَّكَاةَ کے نازل ہوا ہو اور عثمان یا کسی اور نے اس آیت کو
ازواج کے آیت کے ضمن میں لکھ دیا ہو اس خیال سے تاکہ مراد آیت تطہیر سے ازواج ہی کے
جائیں اور ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے اس طرح پر آیات کی ترتیب کر دی ہو اور

اور اس کا اکار ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ امر تو معلوم ہے کہ بوقت ترتیب مصاحف (جمع مصحف یعنی قرآن) اختلاف کثیر واقع ہوا تھا یہاں تک کہ لوگ جمع کے لئے مصحف عثمان پر اور جو کچھ اختلاف واقع ہوا تھا وہ صرف ترتیب میں ہوا تھا ورنہ قرآن کے متواتر ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور یہ امر ظاہر ہے۔

چوتھے۔ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ اس مقام پر جس محمول علی الطہارۃ تمامی ذنوب سے نہیں ہے مردود ہے اس طرح پر کہ جس طہارت پر محمول نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے بلکہ طہارت محمول ہوتی ہے طہارت پر جس سے اور نیز اس کا یہ جواب ہے کہ جن لوگوں نے طہارت کو محمول کیا ہے طہارت کل ذنوبے ان کا محمول کرنا اس بنا پر ہے کہ مراد ان اہلبیت سے جو آیت میں مذکور ہیں آل عبا علیہم السلام ہیں نہ کہ اس تقدیر پر کہ مراد اہلبیت سے ازواج ہوں (قول مترجم۔ یعنی طہارت کا محمول کرنا طہارت پر کل ذنوبے اور اس سے ازواج نبی مراد لینا باطل ہے کیونکہ ازواج کا کل ذنوبے بری ہونا منافی ہے اور نیز یہ کہ ذکر طہارت مقتضی ہے عصمت کا اور یہ بھی ہلکا اتفاق ثابت ہے کہ ازواج نبی معصوم نہ تھیں پس معلوم ہوا کہ اہلبیت سے مراد وہی خمسہ نبیہا علیہم السلام ہیں) اور یہ جواب ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے کہ ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے نفس کے لئے دعویٰ خلافت کیا پس اس کی بابت استدلال تفصیلی سابق میں گذر چکا ہے۔

پانچویں یہ جو اس نے بیان کیا ہے کہ اگر جس محمول گناہ پر کیا جائے تو عائشہ سے واقعہ جنگ جمل میں مواخذہ نہ کیا جائیگا پس یہ اس کا دعویٰ ظاہر البطلان ہے کیونکہ عائشہ کا اس آیت میں داخل ہونا ایک فرض محال ہے اور یہ امر جائز ہے کہ ایک محال مستلزم ہودوسر محال کا پس اس کو سمجھو اور غور کرو۔

اور منجملہ ان امور کے جنہر تنبیہ کی جائے ایک امر یہ ہے کہ آیت میں ارادہ کی جو خبر دی گئی ہے اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ کے ساتھ وہ خبر ہے وقوع فعل کی بالخصوص (یعنی آئیے

تطہیر کا مدلول یہ ہے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ اہلبیت سے جس دور ہو جائے اور اس کا فعل واجب الوقوع ہے مگر یہ کہ وہ ارادہ ہے کہ جس کے سبب سے امر ہوتا ہے اس لئے کہ قول حق تعالیٰ کا یرید اللہ لبیین لکم اور یرید اللہ بکم الیسر کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ عام ہے پس اگر ارادہ مذکور آئے تطہیر اور ارادہ مذکورہ ان دونوں میں کوئی فرق نہ ہوتا تو اس ارادہ کی خصوصیت پر اہلبیت علیہم السلام سے کوئی معنی نہ ہوتے کیونکہ خداوند عالم نے اس ارادہ سے اہلبیت علیہم السلام کی مدح کا قصد کیا ہے اور مدح جب ہی کی جاتی ہے جبکہ فعل واقع ہو جائے اور کسی کو اس کا توہم نہ ہو کہ کسی صفت کا دور کرنا نہیں ہوتا ہے مگر بعد اسکے کہ وہ ثابت ہو پس قول خداوند عالم لیدھب عنکم الرجس اس امر پر دلیل ہوگا کہ لغو باشد جس اہلبیت علیہم السلام میں موجود تھا اور بعد اسکے دور کیا گیا پس یہ تو ہم مردود ہے اس طرح پر کہ بنا اس قول کی تخیل ذہنی پر ہے پس وہ تخیل ذہنی ثابت نہ ہوگا آیا نہیں دیکھتا تو کہ اگر اپنے مخالف طبعے کہتا ہے کہ اذهب اللہ عنک کل مرض اور حالانکہ وہ مرض آئیں موجود نہیں ہوتا پس یہ آیت زائل کر گئی اس خیال کو کہ جو انسان اپنے ذہن میں لاتا ہے یعنی جس طرح سے کہ دعا مرض متخیل کے لئے صحیح ہے اسی طرح سے ذہاب جس متخیل کا صحیح ہے اور عنقریب بیان کیا جائیگا بحث اجماع میں جہاں کہ مصنف نے استدلال کیا ہے حجیت اجماع اہلبیت پر اس آیت سے وہ کلام جس کو ابن روزبہان نے اپنی طرٹ سے ایجاد کیا ہے اور اس کو اس آیت کی نظیر قرار دیا ہے تمام آدمیوں کے لئے اور اسکے اس کلام پر ہماری تنبیہ بھی مذکور ہوگی کہ جس سے ابن روزبہان کا کفر باشد و بغض و عداوت اہلبیت لازم آتی ہے اور ہم نے اس آیت کی تحقیق میں ایک علیحدہ رسالہ تصنیف کیا ہے پس جس کو اس سے زیادہ تفصیل و تحقیق مقصود ہو وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرے و باشد التوفیق (جناب شہید ثالث قاضی سید محمد شوستری علیہ الرحمہ اپنی کتاب احقاق الحق میں جس رسالہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ وہی رسالہ ہے جس کو ہم نے زبان اردو میں ترجمہ کر کے

اصل مع ترجمہ طبع کر دیا ہے۔ مترجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

چوتھی آیت دلیل امامت قول باری تعالیٰ قُلْ لَا اسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اجْرًا اَلَا الْمُوَدَّةُ فِی الْقُرْبٰی ہے احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو اصحاب نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا کہ یا حضرت وہ قرابت دار آپ کے جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے کون ہیں حضرت ارشاد فرمایا کہ وہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ ہیں اور وجوب محبت مقتضی ہے کہ اطاعت بھی اُن کی واجب قرار پائے۔

قول ابن روز بہان

میں کہتا ہوں کہ مفسرین نے اس آیت کے معنوں میں اختلاف کیا ہے پس بعض نے کہا ہے کہ یہاں استثناء منقطع ہے اور معنی آیت یہ ہیں کہ میں تم سے رسالت کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر چونکہ مودت قرابت کی جو میرے اور تمہارے درمیان میں حاصل ہے پس اس وجہ سے میں تمہاری ہدایت میں سعی کرتا ہوں اور رسالت کو تمہاری طرف تبلیغ کرتا ہوں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس مقام پر استثناء متصل مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ میں رسالت و نبوت پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں مگر یہ کہ تم میرے اہل قرابت سے محبت کرتے رہو اور اس معنی کے بنا پر ظاہر آیت شامل ہوگا۔ جمیع اہل قرابت نبی صلعم کے لئے اور اگر ہم تخصیص کریں اُن اشخاص کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی جناب امیرؑ اور حضرت فاطمہؑ و حسنینؑ) تو حضرت علیؑ کی خلافت پر دلیل نہوگی بلکہ آنحضرت کی وجوب محبت پر دلیل ہوگی اور ہم اس امر کے قائل ہیں کہ محبت علیؑ کی تمام مسلمین پر واجب ہے اور محبت طاعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سطلع (جس شخص کی اطاعت کی جائے) صلا

چوتھی دلیل

ریاست و حکومت بھی ہو اور تعجب ہے اس شخص سے (جناب علامہ علی رحمہ اللہ) کہ اس آیت کو اپنے مطلوب پر دلیل لاتا ہے حالانکہ تقریر طریق استدلال سے بہت بعید ہے اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتا (قول مترجم) میں کہتا ہوں کہ جناب علامہ علی رحمہ اللہ کے فہم و طریق استدلال پر جو اعتراض ابن روزبہان نے کیا ہے وہ اس قدر عناد صریح ہے کہ اہل نظر پر محفی نہیں اور ابن روزبہان کی نا فہمی و مجاہدست استدلال کی نظیر ابھی ابھی تفسیر آیہ تطہیریں گزر چکی ہے کہ ضمیر عنکم و عنکم کا اس کو کچھ فرق معلوم نہوا اور ازواج کے مراد لینے پر کس قدر اعمو جاج سے کام لیا اور یہ نہ سمجھ میں آیا کہ طریق استدلال سے اہل فہم کے نزدیک وہ تقریر کس قدر بعید ہو گئی ہے ومن لم يجعل الله له نورا فماله من نور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ بِحَسْبِ شَيْءٍ لِّشَا عَالِيهِ

میں کہتا ہوں کہ محققین و اہل اصول عربیت کی تقریروں سے یہ امر ثابت ہے کہ اشتناء منقطع مجاز ہے اور واقع ہے خلاف اصل پر اور اشتناء منقطع پر اسی وقت محمول ہوتا ہے جبکہ اشتناء متصل کا محمول ہونا ممکن نہ ہو بلکہ اکثر ظاہری لفظ سے جس کی طرف ذہن سابق ہوتا ہے عدول کرتے ہیں تاکہ اشتناء متصل پر جو کہ ظاہر ہوتا ہے حمل کریں حیا کہ اس مطلب کی تصریح شاح عضدی نے کی ہے اور کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ اشتناء متصل اظہر ہے اور اشتناء مشترک نہیں ہے متصل و منفصل میں اور نہ قدر مشترک کے لئے ہے بلکہ متصل میں اشتناء حقیقت ہے اور منقطع میں مجاز ہے اسی لئے نام شہروں کے علماء اشتناء کو منفصل پر حمل نہیں کرتے مگر جبہ متصل متعذر ہو یہاں تک کہ ظاہر سے عدول کر کے حمل متصل پر کرتے ہیں اور عضدی مائتہ درہم الا ثوباء (میرے پاس سو درہم ہیں مگر ایک کپڑا) اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ میرے پاس سو درہم ہیں مگر ایک کپڑے کی قیمت نہیں ہے تا باخر کلام اور یہ جو ابن روزبہان نے بیان کیا ہے کہ ظاہر آیت شامل ہوگی جمیع اہل قرابت نبی کے لئے پس یہ بات قابل تسلیم تھی۔ لیکن حدیث صحیح نے علی وفاطمہ و حسین علیہم السلام

السلام کے ساتھ تخصیص کر دی ہے پس اس امر کی ضرورت نہیں کہ محض احتمال سے تکلف
 تخصیص کی جائے لہذا قول ابن روزبہان کا کہ اگر ہم تخصیص کریں صحیح نہ ہوگا کیونکہ جب حد
 صحیح نے تخصیص کر دی تو پھر اپنی طرف تخصیص کی نسبت باطل ہے لیکن یہ جو ابن روزبہان نے
 ذکر کیا ہے کہ یہ آیت خلافت علی پر دلالت نہیں کرتی ہے پس یہ محض اس کی جہالت ہے
 یا وہ اپنے کو بکلف جاہل بناتا ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے اس امر
 پر کہ علیؑ کی محبت واجب ہے اور مقتضائے آیت یہ ہے کہ خداوند عالم نے رسالت کا اجر مودت
 قربی اس شخص کے واسطے قرار دیا ہے کہ جو اس رسالت کی وجہ سے ثواب دائمی پانے کا مستحق ہو
 اور یہ امر اسی وقت واجب ہوگا جبکہ اہل قرابت نبی معصوم بھی ہوں کیونکہ اگر ان سے خطا واقع
 ہوگی تو ان کی مودت کا ترک کرنا واجب ہوگا اسلئے کہ خداوند عالم دوسرے مقام پر ارشاد
 فرماتا ہے لا تجد قومًا یؤمنون باللہ والیوم الآخر یؤادون من حاد اللہ ورسولہ
 اے رسول آپ ان لوگوں کو جو خدا پر ایمان لائے اور روز قیامت کے قائل ہوئے نہ پائیں گے
 کہ وہ دوست رکھیں ان لوگوں کو جو خدا اور رسول سے دشمنی رکھتے ہیں اور سوائے علیؑ کے
 کوئی دوسرا معصوم نہیں ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے پس وہ جناب امامت کیلئے
 معین ہونگے اور تحقیق کہ ابن حجر نے کتاب صواعق کے دسویں باب میں اپنے امام شافعی
 سے وجوب محبت اہل بیت کے بارے میں بعض شعار کو نقل کیا ہے جس سے ابن روزبہان کی جو
 تفصیح و تکذیب ہوتی ہے اور یہ قول ہے امام شافعی کا شعر

یا اہل بیت رسول اللہ جکم فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لا صلواتہ

یعنی اہل بیت رسول خدا تمہاری محبت خدا کی طرف سے قرآن میں واجب کی گئی ہے اور تمہاری
 بزرگی اور عظیم المنزلت ہونے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ جو شخص نمازیں تیر صلوات نہ بھیجے اسکی
 نماز ہی درست نہیں ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ شیعوں پر یہ امر واجب نہیں ہے کہ وہ امام

امیر المومنین علیہ السلام کے لئے سینوں پر دلیل قائم کریں کیونکہ اہل تسنن اہل تشیع کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیؑ بعد رسول اللہ کے امام ضرور ہوئے زیادہ سے زیادہ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ شیعہ واسطہ کی نفی کرتے ہیں اور اسکے قائل ہیں کہ بعد رسول خدا صلعم بلا واسطہ وفاصلہ خلیفہ بلا فصل آنحضرت کے ہیں اور اہل تسنن واسطہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ جناب بعد رسول بلا فاصلہ خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ چوتھے خلیفہ ہوئے پس جو شخص کسی بات کا مدعی ہو ثبوت و دلیل لانا اسی پر لازم ہے نہ یہ کہ جو کسی امر کی نفی کرتا ہو وہی اے اے اس کی دلیل بھی لائے جیسا کہ اسکے متعلق اپنے مقام پر تقریر کی گئی ہے۔ اے لوگ امیر المومنین علیہ السلام کے انکار امامت سے مطلقاً ترک اجتماع کے مرتکب ہوتے تو اس وقت شیعوں پر امامت علی علیہ السلام کے لئے دلیل کا قائم کرنا واجب ہوتا (حالانکہ ایسا نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ آنحضرت کو امام ضرور تسلیم کرتے ہیں اگرچہ کسی وقت میں سہی یعنی چوتھے مرتبہ پر خلیفہ ہونا آپ کا مسلم ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں) اور خداوند عالم راہ راست کی ہدایت کرنے والا ہے۔

کلامہ علامہ حلیؒ علیہ السلام

پانچویں آیت قول ہے حق سبحانہ تعالیٰ کہ ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ واللہ ساروف بالعباد۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی جبکہ جناب سالماً صلی اللہ علیہ وآلہ وشرکین کے خوف سے فارسی تشریف لے گئے اور وہاں محفی ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کو قرض اور باتیں ادا کر نیلے گئے کہیں چھوٹے پس وہ جناب فرش نبی پر سے اور شرکین کے لئے آنحضرتؐ کو ہر چار طرف سے گھیر لیا اس وقت خداوند عالم نے حضرت جبریلؑ دیکھائیلؑ کی طرف وحی فرمائی کہ اے ملکے مائے جنت تم دونوں کے درمیان میں بلندی قائم کی ہے اور تم دونوں

میں سے ہر ایک کی عمر ایک سے دوسرے کی زیادہ قرار دی پس آیا تم میں سے کون اپنے بھائی کے لئے ایثار کرتا ہے کہ اپنی زندگی دوسرے کے واسطے دیدے لیکن ان فرشتوں میں سے کسی نے بھی اس امر کو قبول نہ کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی اپنی زندگی اپنے ہی لئے پسند کی اُس وقت اُن فرشتوں کی جانب خطاب رب العزت ہوا کہ تم دونوں علی بن ابی طالب علیہ السلام کے مثل کیوں نہیں ہوتے کہ میں نے اُن کی اور محمد صلعم کے درمیان بھی برادری قرار دی تھی تو اُنھوں نے اپنی جان کو حفاظت رسول کے لئے ایثار کر دیا اور اپنی نفس کو فدا کر کے فرش خواب نبی پر کس طرح آرام کر رہے ہیں تم دونوں زمین پر نازل ہو اور علیؑ کو ان کے دشمنوں سے بچاؤ وہ دونوں ملک مقبہ زمین پر آئے ایک یعنی (جبریلؑ) بالین لے کر المؤمنین اور دوسرے (میکائیلؑ) پائین پا حضرت کے بیٹھے اور کہتے جاتے تھے کہ مبارک ہو مبارک ہو آپ کو کون ہے مثل آپ کا اسے فرزند ابوطالب کہ خداوند عالم آپ کی ذات سے ملنے پر فخر و مباہلات کرتا ہے۔

قول ابن روہبان

میں کہتا ہوں کہ مفسرین نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آیت کے بارے میں نازل ہوئی اُن میں بہت سے اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت صہیب رومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ ایک مسافر تھا مکہ میں پس جبکہ آنحضرت نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو اس شخص نے بھی ہجرت کا قصد کیا لیکن قریش نے اس کو ہجرت کرنے سے منع کیا اُس بیچارہ نے قریش سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کثیر المال ہوں میں اپنا مال بھی تمھارے لئے چھوڑے جاتا ہوں مجھ کو یہاں سے جانے دو کہ میں خدا کی راہ میں ہجرت کروں اور تم میرا مال سب لے لو پس جبکہ صہیب رومی اپنا کل مال چھوڑ کر چلا گیا اُس وقت خدا نے اس آیت کو نازل فرمایا صہیب جب آنحضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس آیت کو اُس کے لئے تلاوت فرمایا اور اُس سے

یہ ارشاد فرمایا کہ تیری بیخ میں نفع ہو اے اور اکثر مفسرین اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت زبیر بن العوام و مقداد بن اسود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ آنحضرت صلم نے ان کو اس لئے بھیجا تھا کہ خدیب بن عدی کو صلیب سے اتار لائیں اور خدیب کو اہل مکہ نے صلیب پر چڑھایا اور گردن کے چالیس مشرک جمع تھے پس زبیر بن عوام و مقداد بن اسود نے اپنی جانیں فدا کی کہ خدیب کو صلیب پر سے اتارنا اس وقت یہ آیت ان دونوں کے بارے میں نازل ہوئی اگر یہ آیت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے تو یہ اُنکی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور اس امر پر بھی دلیل ہے کہ وہ جناب اطاعت رسول نہیں کوشش کرتے تھے وہاں تک کہ اپنی جان و روح آنحضرت پر نثار کر دی اور یہ سب فضائل علیؑ کے مسلم ہیں کسی کو ان میں کلام نہیں ہے۔ لیکن یہ آیت آنحضرتؐ کی امامت پر فرض نہیں ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ السلام

میں کہتا ہوں کہ فخر الدین رازی و نظام الدین نیشاپوری اپنی تفسیروں میں روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی جیسا کہ علامہ حلی رحمہ اللہ نے روایت فرمایا ہے اور سعید بن سب سے اس آیت کا شان نزول صہیبؓ کی بابت بھی نقل کیا گیا ہے مگر سعید شخص فاسق و شقی و دشمنان اہلبیت علیہم السلام سے ہے اور یہ امر جمہور کی کتب سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز اُس کے آثار و ملاوٹ سے ایک یہ امر بھی ہے کہ اُس نے جناب امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام کے جنازہ پر غار نہیں پڑھی باد صیف کہ اُس کے غلام نے اُس کو خبر بھی دی اور اُس کو شقی کے لفظ سے خطاب کرنے کی وجہ اپنے مقام پر مذکور ہوئی ہے۔ علاوہ بریں اس روایت کا کوئی ربط و لولابت سے نہیں ہے کیونکہ مدلول آیہ نفس و روح کا بذل کر دینا ہے اور مدلول اُس روایت

کا جواب روز بہان نے نقل کی ہے بذل مال ہے اور کہاں مال کا خدا کی راہ میں صرف
 کرنا اور کہاں اپنی جان کو راہ خدا میں قربان کر دینا۔ اور یہ بھی ایک امر ابن روز بہان کی صلوٰۃ
 اہلبیت علیہم السلام میں سے ہے کہ وہ اس بات پر بھی راضی نہ ہوا کہ وہ روایت جو منقبت
 امیر المومنین علیہ السلام پر شامل تھی اُس کو اپنے مقام سے پھیر کے ایک آزاد قریشی پر بھی مطلق
 کرتا بلکہ اُس نے اس روایت کو ایک غلام اسود رومی کی طرف منسوب کیا جس کی بابت اُس کو
 علم ہوا کہ دشمن اہل بیت ہے اور غالباً جب ابن روز بہان کو یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ آیت صہیب کے
 متعلق مرتبط نہیں ہوتی تو اُس کو زبیر و مقداد کی شان سے مرتبط بنا دیا۔ اور ابن روز بہان کا
 یہ بیان کرنا کہ آیت امیر المومنین علیہ السلام کی امامت پر نص نہیں ہے پس یہ مکابره صریح ہے کیونکہ
 جب جبریل سے ملک مقرر بنے اس واقعہ میں علی بن ابی طالب کو من مثلاً یا بن ابی طالب
 کہا (یعنی اے علی بن ابی طالب تمہارا مثل کون ہو سکتا ہے جو اس طرح اپنی جان فدا کر دے)
 تو معلوم ہوا کہ ذات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا کل عالم میں کوئی مثل و نظیر
 نہیں ہے اور کم سے کم یہ تو سب کو ماننا پڑے گا کہ اصحاب رسول خدا صلعم میں کوئی دوسرا
 شخص مثل و نظیر امیر المومنین علیہ السلام کا نہیں ہے اور جب یہ بات تسلیم ہو گئی تو یہ آیت اُن
 جناب کی امامت کے لئے نص قرار پائیگی قطعاً نہ یہ کہ وہ شخص امام معین ہو جو کسی ایک فضیلت
 میں بھی اُن حضرت کا نظیر نہ ہو جیسا کہ اس کلام سے صریحاً ظاہر ہے اور اس حالت میں کیا فاضل
 موجود ہو دوسرے مفضل کو اس پر اگر ترجیح دینگے تو ترجیح مفضول کی فاضل پر لازم آئیگی اور
 یہ باطل ہے چنانچہ اس کا بیان اس سے قبل گذر چکا ہے۔ پس اُس کو سمجھو او یا ذکر و اور
 کیا خوب بعض فضلاء شعراء نے آنحضرت کے شب ہجرت میں فرش خواب رسول پر آرام کرنے
 سے اُن جناب کی فضیلت کا اشارہ کیا ہے چنانچہ کہتا ہے۔ شعر
 نیست در بحث امامت معتبر قول مفضول
 در شب ہجرت کہ خوابیدست بر جائے رسول

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

پھٹی آیت آیہ مباہلہ ہے اور وہ قول باری تعالیٰ قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم
 وبنائنا وبنائکم وافتننا وافتنکم ثم نبذہم فنجعل لعنتنا علی الکاذبین
 ہے۔ مفسرین نے اجماع کیا ہے کہ ابنائنا سے اشارہ جن حسین علیہما السلام کی طرف ہے اور بنائنا
 اشارہ ہے طرف فاطمہ زہرا علیہما السلام کے اور افتننا اشارہ ہے علی السلام کی طرف پس
 خداوند عالم نے امیر المومنین علیہ السلام کو نفس رسول قرار دیا ہے اور مراد اس مقام پر ساوا
 ہے صفات کمال میں (علاوہ مرتبہ نبوت ورسالت کے) اور جو شخص اکمل اور اوئی بالتصرف
 کا مساوی ہوگا وہ خود بھی کامل ترین افرادناں و اوئی بالتصرف ہوگا اور یہ آیت مولانا
 امیر المومنین علیہ السلام کی بزرگی منزلت پر بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ خداوند عالم نے حکم
 دیا ہے امیر المومنین علیہ السلام کے مساوی ہونے کا نفس رسول صلعم سے اور حق سبحانہ تعالیٰ
 نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اس بات کے لئے معین فرمایا ہے کہ رسول اُن کی استعا
 سے دعا کریں اور اس فضیلت سے زیادہ اور کونسی فضیلت عظیم ہوگی کہ خداوند عالم اپنے
 رسول کو حکم دے کہ وہ علیؑ سے استعانت حاصل کریں اُس کی طرف دعا کرنے میں اور اُن کو
 وسیلہ قرار دیں اپنی دعا کے قبول ہونے کا اور آیا کوئی شخص ایسا ہے کہ جس کے لئے یہ فضیلت
 عظیمہ حاصل ہوئی ہو۔

قول ابن روزبہکان

میں کہتا ہوں کہ ارباب مباہلہ کی عادت ہمیشہ سے یہ تھی کہ وہ اپنے اہلیت و اہل قربت
 کو جمع کیا کرتے تھے تاکہ مباہلہ میں کل افراد شامل ہو جائیں۔ پس اسی لئے رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اولاد اور عورتوں کو جمع کیا اور مراد انفس سے (انفسنا میں) مراد

پس گویا خداوند عالم نے رسول کو حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو اور اولاد کو اور اپنے اہلبیت کے مردوں کو جمع کریں لہذا عورتیں تو فاطمہؑ ہوئیں اور اولاد حسینؑ ہوئے اور مردوں سے مراد خود رسول اللہؐ اور علیؑ ہیں لیکن اس آیت میں جو دعویٰ علامہ حلی نے مساوات کا کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اور بطلان دعویٰ مساوات ضروریات دین سے ہے کیونکہ غرض نبی ساری نبی ہرگز نہیں ہو سکتا اور جو شخص دعویٰ مساوات کریگا وہ اپنے دین سے خارج ہو جائے گا اور کسی کو نبی سے مساوات کیونکر ممکن ہوگی حالانکہ وہ جناب خاتم الانبیاء اور افضل انبیاء اولوالعزم ہیں اور یہ کل صفات علیؑ کی ذات میں موجود نہ تھے۔ ہاں البتہ امیر المومنین علیؑ کے لئے اس آیت میں ایک فضیلت عظیمہ ہے اور وہ مسلم ہے لیکن یہ آیہ اُن جناب کی امت پر بطور نص دلیل نہ ہوگا۔

جناب شہید ثالث علیہ السلام

ابن روز بہان کے اس قول کی طرف بہت سے وجوہ کلام کے متوجہ ہیں اول یہ کہ جب ارباب مباہلہ کی یہ عادت تھی کہ اپنے اہلبیت و قرابت کو مباہلہ میں جمع کیا کرتے تھے تاکہ کل اصحاب اُن کے شریک مباہلہ ہوں جیسا کہ ابن روز بہان نے ظاہر کیا ہے اور نہیں مانا کہ مباہلہ میں وہی لوگ ہونے چاہئیں جن کے باب میں مزید عنایت خدا ہو پس نبیؐ نے اس عادت کی کیوں مخالفت کی اور آنحضرتؐ نے بنی ہاشم کے کل اہل قرابت و اصحاب کو مباہلہ میں کیوں نہ شامل فرمایا بلکہ عورتوں میں سے جناب فاطمہؑ زہراؑ کو اور مردوں سے علیؑ بن ابی طالب کو اور اولاد میں سے حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام کو ہی مخصوص کیا جبکہ اُن جناب نے عادت مقررہ مباہلہ کی مخالفت فرمائی اور صرف چار آدمیوں کو شریک مباہلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اور باقی لوگ اہل قرابت سے خدا کے اُس مقام قرب و مزید عنایات سے علیحدہ تھے جس پر لوگ فائز تھے۔ نیز اگر مباہلہ میں عادت شمول جمع اصحاب و تیسرے مقرر تھے تو وضاحت چاہیے

آنحضرت کی طرف مقابل تھے انھوں نے اس امر پر اعتراض کیوں نہ کیا اسلئے کہ اگر عادت اسی طرح جاری ہوتی تو وہ لوگ نبی پر اس امر سے احتجاج کرتے لیکن ابن روزبہان کا یہ قول کہ اعمال سمر اور خود رسول اللہ اور علیؑ ہیں پس مرد و مہرے اس طرح پر کہ اُس نے قصد کیا ہے حمل کرنے کا لفظ انفس کو بنا بر حقیقت جمع کے بعض علمائے نزدیک اور ابن روزبہان نے یہ نہیں جانا کہ نبی اس طرح کے خطاب میں زیر حکم نہیں داخل ہو سکتے ہیں جیسا کہ علم اصول میں ثابت ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن روزبہان نے یہ جو کہا ہے کہ جو شخص علیؑ کو نبی کا مساوی قرار دینگا وہ دین سے خارج ہے یہ امر اسی کے حق و دین سے خروج کا باعث ہے اور سبب اسکی بے پروائی کے ہے معرفت جناب امیر المومنین و سید الوصیین و برادر حضرت سید المرسلین سے اور یہ جو استبعاد اُس نے کیا ہے کہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مساوی ہو حضرت خاتم النبیین و افضل انبیاء اولو العزم سے پس اس میں یہ اعتراض ہے کہ یہ یعنی مساوات ایک کناہ ہے منتہائے خصوصیت اور قرب و محبت کا اس لئے کہ جب دو شخصوں کے درمیان میں محبت کامل ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں معنی متحد ہو گئے ہیں اگرچہ صورت میں علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور انتہائی بات جو لازم آتی ہے وہ مساوات ہے درجہ میں نہ کہ مرتبہ میں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ کو حضرت سے اگر اس حد پر مقارنت و اتحاد حاصل نہ ہوتا تو ہر آئینہ خداوند عالم اُن کو نفس رسول نہ فرماتا اور علیؑ اور اُن کے دونوں صفیر الحسن و ہسینؑ فرزند اُن کے بھائی عقیل و جعفرؑ سے اولیٰ نہ قرار پاتے کیونکہ وہ سب بھی قرابت نبی میں مساوی تھے۔ پس اس مقام سے یہ اعتراض مضمحل ہو گیا جو کہ ابن روزبہان نے بیان کیا تھا کہ عادت ارباب مباہلہ کی یہ ہے کہ وہ اپنے المہیت و اہل قرابت جمع کیا کرتے ہیں بالجملہ حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ جناب رسالت مآب صلعم عارف جلال الہی تھے اور اپنے خالق سے کمال خوف رکھتے تھے لہذا اپنے اُس مباہلہ میں (کہ جس میں دعا ایک دوسرے کے ہلاکت کی کی جاتی ہے اور رحمت خدا سے دوری طلب کی جاتی

ہے، انہیں جماعت سے استعانت طلب فرمائی کہ جو پروردگار عالم کے نزدیک فضیلت
 و منزلت میں بڑا درجہ رکھتے تھے اور انہیں کو اپنی دعائے مباہلہ میں شریک فرمایا کیونکہ
 کثرت افاضل (یعنی صفات حسنہ میں فضیلت رکھنے والے) کی وجہ سے استجابت دعا کی
 زیادہ امید کی جاتی ہے جیسا کہ سنت رسول سے یہ امر بھی معلوم ہوا ہے اور اس شخص
 کی دعوت کا ترک کر دینا جو فضیلت میں خداوند عالم کے نزدیک انہیں افاضل سے
 مساوی ہو اس نبی کی طرف سے شدت اہتمام امر دین میں خلل ڈالنا لازم آتا ہے اور
 نبی صلعم ان باتوں سے منزہ ہیں کہ خلاف اوصاف کوئی امر عمل میں لائیں اور منجملہ ان فیصلوں
 کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اہلبیت علیہم السلام سے مباہلہ میں
 استعانت چاہی یہ ہے کہ خداوند عالم اس آیت میں صیغہ جمع کا استعمال فرماتا ہے یعنی شعر
 بنتھل اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور اس کے علاوہ اوروں نے دیگر کتب میں
 ذکر کیا ہے کہ جناب رسالتا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روز مباہلہ دو لکھترے باہر تشریف لائے
 تو امام حسینؑ کو اپنی گود میں لئے ہوئے تھے اور امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے اور آپ کے پیچھے
 حضرت فاطمہؑ زہراؑ تھیں اور ان کے بعد علیؑ امیر المومنین تھے اور وہ جناب اپنے اہل
 بیت علیہم السلام سے فرماتے تھے کہ دیکھو جب دعا کروں گا تو تم سب آمین کہنا اور ساقب
 نصاریٰ جس کا نام ابی حارثہ تھا اس نے بھی جب جناب رسول خدا صلعم کو اس طرح تشریف لاتے
 دیکھا اور آنحضرت جب آگے بڑھے اور دو زانو ہو کر زمین پر بیٹھ گئے تو کہا کہ قسم بخدا مباہلہ کے لئے
 انبیاء اسی طرح بیٹھے ہیں اے گروہ نصاریٰ میں یہاں چند چہروں کو دیکھتا ہوں کہ اگر وہ
 خداوند عالم سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ضرور پہاڑ ہٹ جائیں گے پس تم
 ان سے مباہلہ نہ کرو اور اس آیت کا دلیل افضلیت امیر المومنینؑ ہونا اس امر سے بھی ظاہر
 ہے کہ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقة میں دارقطنی سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے بروز شولے
 اس فضیلت سے احتجاج فرمایا اور ارشاد کیا کہ تمکو میں قسم دیکر سوال کرتا ہوں کہ آیا تم میں مجھ

زیادہ رسول اللہ سے قریب تر اور کوئی بھی ہے یا اور کوئی سوائے میرے ایسا ہے جسکو آنحضرت نے اپنا نفس بنایا ہوا اور اُس کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا ہوا اور اُس کی عورتوں کو اپنی عورتیں فرمایا ہو لوگوں نے جو وہاں حاضر تھے عرض کی کہ قسم بخدا ایسا اور کوئی نہیں ہے ختم ہوئی حدیث منقول از صواعق ابن حجر۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد نفسیت سے (یعنی آنحضرت کا امیر المومنین کو اپنا نفس قرار دینا) حقیقت اتحاد نہیں ہے بلکہ مراد مساوات ہے اُن حضائل میں کہ جو ممکن ہیں مثل فضائل و کمالات کے کیونکہ ایسی مساوات مراد لینا قریب تر ہے معنی مجازی کے معنی حقیقی سے پس حمل کرتے ہیں اسی معنی مجازی پر جبکہ معنی حقیقی کا مراد لینا دشوار ہوتا ہے اور یہی قاعدہ اصول کا مقرر ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ رسول نے ا صلعم تمام مردم سے افضل ہیں اور جو افضل کا مساوی ہوگا وہ خود بھی افضل ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ ہم یہ بھی استدلال کریں کہ مراد مصنف علیہ الرحمہ کی مساوات سے مساوات صفات نفسیہ میں ہے اور اس وقت ہم یہ کہیں گے کہ اگر ابن روز بہان نے ارادہ کیا ہے ہمارے نبی کے نبی مرسل خاتم النبوة ہونے سے بعثت اُن جناب کی بروجہ مذکور پس ظاہر ہے کہ نبی کا مبعوث بریالت ہونا صفات نفسیہ سے نہیں ہے جیسا کہ اس کی توضیح غزالی نے کتاب منہول میں کی ہے اور اس طرح بیان کیا ہے کہ افعال کے لئے احکام صفات ذاتیہ نہیں ہوتے مگر یہ کہ معنی اُن احکام کے یہ ہوتے ہیں کہ اُن سے ارتباط ہوتا ہے خطاب شائع کے ساتھ کسی فعل کے امر یا نہی یا زجر کے بارے میں پس فعل حرام وہ ہے جس کے لئے لا تفعلو مستعمل ہوگا اور واجب وہ ہے جس کے لئے لا تتركوه کہا جائیگا اور یہ حکم فعل یا ترک فعل کا مثل نبوت کے ہے کہ صفت ذاتیہ نفسیہ نبی کے لئے نہیں ہے بلکہ نبوت سے مراد مخصوص ہونا ہے ایک شخص معین کا خطاب تبلیغ سے اور اگر ابن روز بہان نے نبوت سے مراد وہ صفت کا لہ نفسیہ لی ہے کہ جس کی وجہ سے نبی مبعوث بریالت ہوتا ہے بنا بروجہ مذکور کے اور وہ مقتضی ہے مساوات درجہ کی پس کوئی

امراغ نہیں ہے کہ امیر المؤمنینؑ کے لئے یہ درجہ اور یہ صفت حاصل نہ ہوتی ہے امرئہ ہوگا کہ جناب رسول خدا کے خاتم الانبیاء ہونے کی خصوصیت مانع ہوئی اس امر سے کہ امیر المؤمنینؑ ہر درجہ مخصوص مبعوث ہوں اور ان جناب پر اس نام کا شرعاً اطلاق کیا جائے جیسا کہ اسی طرح کہا گیا ہے کہ اطلاق اسم جو ہر کا معنی اُس موجود کے جو کسی موضوع میں نہ ہو ممنوع ہے خالق عالم پر (یعنی خداوند عالم کو جو ہر نہیں کہہ سکتے حالانکہ وہ موجود ہے اور کسی موضوع میں نہیں پایا جاتا پس معنی جو ہریت اُس میں موجود ہیں لیکن اُسکو جو ہر نہ کہیں گے بسبب مانع ہونے شرع کے) اور اس درجہ کا امیر للمؤمنین کے لئے حاصل ہونا بعید تر نہیں ہے اُن باتوں سے جن کی بابت ابن روزبہان کے اصحاب نے ابو بکر کی شان میں روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور ابو بکر مثل دو گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کے ہیں اور عمر کی شان میں یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی عمر بن الخطاب تھے اور یہ روایت کتاب مشکوٰۃ میں ترمذی سے منقول ہے (مترجم کہتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا موضوع ہونا کتاب مستطاب بعقات الانوار حدیث مدینۃ العلم میں تفصیل مذکور ہے) اور ابن روزبہان نے یہ جو بیان کیا ہے کہ یہ آیت امیر المؤمنین علیہ السلام کی نص امامت پر دلالت نہیں کرتی ہے پس یہ مردود ہے اس طرح پر کہ جناب مصنف علیہ السلام نے اس باب کے مطالب کو نص خلافت علی السلام میں حصر نہیں فرمایا ہے بلکہ اُن کا مدعا جیسا کہ بحث امامت میں سابقاً اس کی تصریح فرما چکے ہیں) دلیل کا قائل کہ امامت پر عام اس کہ وہ نص امامت پر دلالت کرتی ہو یا شرائط امامت و لوازم امامت پر مثل عصمت و فضیلت و دیگر فضائل کے جمع ہونے پر دلالت کرتی ہو اس بنا پر کہ وہ فضائل ایسے ہوں کہ جن میں اصل کوئی شریک نہ ہو۔ اور تحقیق کہ صاحب مواقف نے اسکو سمجھ لیا ہے جہاں کہ اُس نے بیان کیا ہے کہ شیعوں کے لئے بیان افضلیت علی میں دو مسک ہیں مسک اول وہ فضائل ہیں جو

آنحضرت کے افضل ہونے پر جملاً دلالت کرتے ہیں اور وہ چند ہیں پہلی آیہ مباہلہ - دوسری
 حدیث طبر و غیرہ اور مسلک ثانی وہ خصائص آنحضرت کے ہیں کہ جو ان جناب کے افضل
 ہونے پر تفصیلاً دلالت کرتے ہیں اور بخلاف ان کے ایک یہ امر ہے کہ فضیلت آدمی کی اس کے
 غیر پر بسبب کمالات کی تسلیم کی جاتی ہے اور تحقیق کہ ذات والا صفات جناب امیر المومنین علیہ
 السلام میں وہ فضائل جمع تھے جو دیگر اصحاب میں متفرق تھے اور وہ بہت سے امور
 ہیں پہلے ان میں سے علم ہے چنانچہ جناب امیر المومنین علیہ السلام صحابہ تھے تاہم آخر کلام بعد
 اس بیان کے صاحب موافق نے مکابہ کیا ہے اور ان دونوں مسلوں کے جواب میں
 یہ کہا ہے کہ فضائل مذکورہ آنحضرت کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں لیکن افضلیت ان جناب
 کی ان سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور کیونکہ افضلیت ثابت ہوگی حالانکہ مرجع افضلیت
 کاکثر ثواب اور کرامت و بزرگی ہے خداوند عالم کے نزدیک اور یہ بات اکتساب
 طاعات اور اخلاص اعمال سے حاصل ہوتی ہے اور نیز اس چیز سے حاصل ہوتی ہے
 کہ جو نصرت اسلام کی طرف راجع ہو اور ان فضائل سے حاصل ہوتی ہے کہ جو تقویت دین
 کے متعلق ہیں اور یہ امر کتب تاریخ و سیرے معلوم ہے کہ جب ابو بکر اسلام لائے تو خدا کی
 طرف لوگوں کی دعوت کرنے میں مشغول ہو گئے اور انھیں جناب کی کوشش سے عثمان
 بن عفان و طلحہ بن عبد اللہ اور زبیر و سعد بن وقاص و عثمان بن مظعون ان کے ہاتھ پر
 اسلام لائے اور ان لوگوں کے سبب اسلام قوی ہوا اور ابو بکر ہمیشہ کفار سے اسلام کیلئے
 جھگڑتے رہے اور اعلیٰ دین خدا میں آنجناب کی حیات اور بعد وفات ان حضرت کے
 برابر مشغول رہے اور جانتا چاہیے کہ مسئلہ افضلیت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں جرم
 یقین حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لئے مستقلاً کوئی عقلی دلیل قائم نہیں کی جاتی
 ہے بلکہ مستند اسکے لئے منقولات ہوتی ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے کوئی
 عمل متعلق ہو تاکہ اس میں صرف گمان کافی ہو بلکہ مسئلہ افضلیت ایک مسئلہ علیہ ہے

کہ جس میں یقین مطلوب ہوتا ہے اور اس بارے میں جو نصوص ذکر کئے گئے ہیں وہ چونکہ
 دوسری روایات سے معارض ہیں اس وجہ سے وہ یقین افضلیت کے لئے مفید نہیں
 کیونکہ ہر انصاف کرنے والے پر ظاہر ہے کہ وہ کل روایات جو افضلیت کے بارے میں منقول
 ہیں یا وہ از قسم آحاد ہیں یا ظنی الدلالتہ ہیں باوصف اسکے وہ دیگر روایات سے متعارض
 ہیں اور خصوصیت کثرت ثواب کی موجب نیا دئی ثواب نہیں ہے قطعاً بلکہ گمان ہے کہ چونکہ
 حصول ثواب ایک تفضل ہے من جانب اللہ جیسا کہ تو نے سابق میں معلوم کیا پس یہ امر ضرور
 عالم کے اختیار میں ہے کہ اگر چاہے تو مطیع کو ثواب نہ عنایت کرے اور غیر مطیع کو ثواب مرحمت
 فرمائے برابر ثبوت امامت پس وہ اگرچہ قطعی ہو لیکن اُس سے قطعیست افضلیت نہیں ثابت
 ہوتی ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ گمان افضلیت کا ثابت ہوگا اور کیونکہ قطعیست
 افضلیت کا ثبوت ہو حالانکہ یہ بات بھی قطعی ثابت نہیں کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضل
 کی امامت صحیح نہ ہو لیکن چونکہ ہم نے سلف کو اسی طرح پایا ہے کہ وہ اسکے قائل ہو گئے ہیں
 کہ ابو بکر افضل ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی افضل ہیں اور اسلاف کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ
 چاہتا ہے کہ اگر وہ اس افضلیت کے عارف نہ ہوتے تو کیوں اس پر اتفاق کرتے لہذا اسی بنیاد
 ہم اُن کے اتباع کو واجب جانتے ہیں اور اس بارے میں جو امر حق ہوگا وہ خدا کے سر
 کرتے ہیں وہی جانتا ہے کہ حق کس کیلئے تھا (مترجم کہتا ہے کہ اس تقریر سے خوب واضح ہو گیا
 کہ صاحب مواقف کے نزدیک اس وقت تک یہ بات بھی متحقق نہیں ہوئی ہے کہ خلفاء
 ثلاثہ میں افضل کون ہے صرف بنا بر اختیار اسلاف نا انصاف اتباع کرتے چلے آتے ہیں جیسا کہ
 بیوۃ قحریہ یاد ہم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار اور علما
 آمدی نے بیان کیا ہے کہ کبھی تفضیل سے ارادہ کیا جاتا ہے ایک شخص کی خصوصیت کا دوسرے
 سے عدول کر کے یا اصل فضیلت کی وجہ سے کہ جو دوسرے میں نہ پائی جاتی ہو جیسے عالم
 و جاہل کہ ایک میں صفت علم موجود ہے اور دوسرے میں اُس کا وجود ہی نہیں ہے یا ایک

دوسرے خصوصیت افضلیت بسبب زیادتی صفت کے پائی جاتی ہے جیسے ایک شخص
دوسرے شخص سے اعلم ہو اور یہ بھی غیر قطعی ہے درمیان صحابہ کے اس وجہ سے کہ ایسی
کوئی فضیلت نہیں ہے کہ ایک شخص میں ہو اور دوسرے میں نہ ہو کیونکہ ہر فضیلت میں یہ
کہہ سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا شریک ہے اور عدم شرکت تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ بھی
بیان کیا جانا ممکن ہے کہ دوسرا دوسری فضیلت کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے اور کثر
فضائل سے ترجیح کا لازم آنا مسلم نہیں ہے کیونکہ اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی
فضیلت ترجیح رکھتی ہو بہت سی فضیلتوں پر یا بسبب زیادتی شرف اُسی فضیلت کے اُسکی
ذات میں یا وجہ زیادت مقدار اُسی فضیلت کے (یعنی شرف میں وہ فضیلت کم ہو لیکن
مقدار میں زیادہ ہو) پس اس حیثیت سے افضلیت کا قطعی ہونا درست نہ ہوگا۔ اور شراح
عقائد نسفی کہتے ہیں کہ بنے دونوں جانبوں کے دلائل افضلیت پر جو نظر کی تو ان کو
ابہیں معارض پایا اور ہم اس مسئلہ کو اعمال سے متعلق نہیں پاتے ہیں اور نہ اس امر
میں توقف کرنے سے واجبات میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے چنانچہ ہمارے اسلاف نے
عثمان کی تفضیل میں توقف کیا ہے اسلئے کہ انھوں نے صرف تفضیل شیخین و محبت ختنین
(یعنی عثمان و علی علیہ السلام) کو علامات سنت و جماعت سے قرار دیا ہے اور انصاف
یہ ہے کہ اگر ارادہ کیا جائے افضلیت سے کثرت ثواب کا تو اس میں توقف کرنے کا سبب
ہے اور اگر اس سے کثرت اُن فضائل کی مراد ہو جن کو صاحبان عقل نے فضائل میں
شمار کیا ہے تو کوئی وجہ توقف کی نہ ہوگی (یعنی کثرت ثواب تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ
خلفاء میں کس کے لئے تھی لیکن فضائل میں زیادتی علی علیہ السلام کی قابل توقف
نہیں ہے) جناب علامہ قاضی سید نور اللہ شوشتری علیہ الرحمہ
فرماتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ان تمام اقوال میں نظر اعتراض ہے لیکن صاحب ثواب
منہو ذکر کیا ہے وہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ ہر شخص پر کہ جسکو ادنیٰ عقل ہو ظاہر ہے

کہ وہ کرامت اور کثرتِ ثواب جو تعظیماً بعض عبادت کے حاصل ہوتا ہے نہیں ہے علاوہ
 اُن فضائل و کمالات کے کہ جو بلا شک اُن میں زیادہ تر بذاتِ امیر المؤمنین علیہ السلام میں
 متحقق تھے اور بعض اُن میں سے آنحضرت کے ساتھ مخصوص تھے پس اس قول کے کوئی
 معنی نہ ہونے کہ حضرت کا غیر عزت و کرامت و ثواب میں اُن سے زیادہ ہو یا اُن جناب
 کا مساوی ہو اور لیکن یہ بیان کہ ابو بکر بعد اسلام لانے کے دعوتِ اسلام میں مشغول
 ہو گئے اور اُن کے ہاتھ پر عثمان و طلحہ و زبیر وغیرہ اسلام لائے پس اس میں اعتراض
 یہ ہے کہ قبل ہجرت رسول صلعم جو لوگ اسلام لائے وہ چالیس سے زیادہ نہ تھے اور
 اُن میں اکثر لوگ خود آنحضرت کی دعوت سے مشرف باسلام ہوئے اور اگر ان پانچ
 آدمیوں کا ابو بکر کے ہاتھ پر اسلام لانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ امر کہاں لازم ہوتا
 ہے کہ وہ برابر دعوتِ اسلام میں مشغول رہے بلکہ یہ اُس وقت میں کہا جاتا ہے جبکہ ایک
 شخص کی دعوت سے جماعت کثیرہ اسلام لائے نہ یہ کہ پانچ یا چھ آدمی اسلام لائیں تو اُس
 کے لئے کہیں کہ وہ دعوتِ اسلام میں برابر مشغول رہا اور یہ بات ایسی ہے کہ کوئی شخص
 اس کی تصریح کرے تو اُس پر لوگ استہزاء کریں گے اور اگر بالفرض ہم اس کو
 بھی تسلیم کر لیں کہ ابو بکر برابر دعوتِ اسلام میں مشغول رہے تو امیر المؤمنین علیہ السلام کے
 ہاتھ پر ملکِ عرب و عجم کے ہزار ہا آدمی اسلام لائے اور منجملہ اُن اہل اسلام کے اہلِ ایمان
 کے تمامی قبائل ہمدان ہیں کہ جو آنحضرت کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے وہاں تک حدیث
 میں منقول ہے کہ جبکہ جناب رسالتِ مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ہمدان کے اسلام لانے
 کی خبر سماعت فرمائی تو اس قدر مسرور و شادمان ہوئے کہ خداوندِ عالم کا سجدہ خشک کجا لائے اور ذکرِ شائستہ
 فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَانَ اور صاحبِ مواقف نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ ابو بکر منازعت
 کفار میں مشغول رہے پس یہ محض ایک عبارت ہے کیونکہ منازعت کا اطلاق اُس وقت
 کیا جاتا ہے کہ طرفین میں سے کسی امر میں تقادمت کی جائے اور ابو بکر کی قبلہ ہجرت

حالت تھی کہ وہ رسی سے باندھ دیئے جاتے تھے اور ان پر مار پڑتی تھی جیسا کہ اس کی نقل آگے آئیگی اور بعد ہجرت ابو بکرؓ نے اس مصیبت سے نجات پائی لیکن کسی غزوہ میں انھوں نے کسی کافر سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ جہاد سے بھاگنا ان کا طریقہ رہا پس ایسی حالت میں صاحب موافق کا ابو بکر کو اس فضیلت سے مخصوص کرنا کہ وہ ہمیشہ عادل دین و دنیا کی منازعت میں مشغول رہے کیونکہ صحیح ہوگا اور اس نے یہ جو ذکر کیلئے کہ فضیلت معنی کثرت ثواب قطعی طور سے ثابت نہیں ہو سکتی ہے پس اس کو ہم نہیں تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اور اگر یہ امر تسلیم بھی کیا جائے تو اس بحث و مقصود میں مفید نہیں کیونکہ کوئی ذی عقل اس بات کو صحیح نہ مانے گا کہ جس شخص میں ایسے صفات کا ملکہ موجود ہوں وہ تو امامت کے لئے اولیٰ نہ ہو اور اس کا غیر محض اس وجہ سے اولیٰ قرار دیا جائے کہ اس میں احتمال فضیلت کا پایا جائے اور یہ امر ظاہر ہے کہ عقلاء اب تک اسی کے قائل ہیں کہ یہی شخص (جس میں فضائل و کمالات حقیقتاً موجود ہوں) افضل واقعی و اولیٰ امامت کے لئے ہو گا نہ یہ کہ جس میں یہ صفات نہ پائے جائیں اس کے لئے امامت ثابت کی جائے اور یہ بات بدیہی ہے دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے کوئی معنی نہ ہونگے مثلاً اگر کہا جائے کہ جس کا علم معلوم نہ ہو اس سے تعلیم کا حاصل کرنا بہتر ہوگا بہ نسبت اس شخص کے کہ جس کا عالم ہونا سب کو معلوم ہو اور یہ عقل کے نزدیک ظاہر ہے اور اگر نقل کو دیکھا جائے تو قرآن و حدیث میں بھی یہ وارد ہوا ہے جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اَمِنْ يَهْدِي اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُتَّبَعَ اَمِنْ كَايِهْتِى الْاِلَان

۱۲۷ مزمع کہتا ہے کہ ابو بکرؓ قبل ہجرت رسی سے باندھا جانا اس قدر مشہور ہے کہ کتب لغت تک میں مذکور ہو چاہے صاحب صحاح لغت قرن میں لکھے ہیں والقرنیان ابو بکر و طلحۃ لان عثمان بن عبد اللہ اخا طلحۃ اخذہما فقرنہما بجبل فلذلک سمیا القرنین اور مراد قرنین سے ابو بکر و طلحہ ہیں کیونکہ عثمان بن عبد اللہ بن جراحؓ نے ان دونوں کو ایک رسی میں باندھا تھا۔

یہدی فمالکم کیف حتی کہوں۔ یعنی آیا وہ شخص کہ جو صاحب علم و ہدایت ہو
 حق کے ساتھ زیادہ مستحق ہے کہ خلایق اُسکی ہدایت سے مستفید ہو اور اُس کے انوار علم و
 ہدایت سے روشنی حاصل کرے یا وہ شخص کہ جس کو نہ تو علم حاصل ہو نہ ہدایت بلکہ
 وہ خود دوسروں سے علم و ہدایت حاصل کرتا ہو پس اسے اہل عقل کیونکر تم ایسی بات کا
 حکم کرو گے یعنی یہ بات تو سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہی پہلا شخص جو خود صاحب علم
 و ہدایت ہے اوئی و احق ہے اس بات کا کہ تمام خلق اُسی سے ہدایت حاصل کرے اور
 اُسی کی پیروی کرے اور اس کے خلاف کرنا بجز اس کے کہ مکابرہ و عناد ہو اور کچھ
 نہیں ہو سکتا اور یہ امر صاحبان عقل و تیز ریخوب واضح ہے۔ اور صاحب موافق نے
 یہ جو ذکر کیا ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے نہیں ہے کہ جو عمل سے متعلق ہو پس اس میں
 یہ اعتراض ہے کہ وہ اس مسئلہ کا عمل سے متعلق ہونے کی بابت کیونکر منکر ہو سکتا ہے حالانکہ
 یہ مسئلہ موجب ہو سکتا ہے امامت کا تفضیل مفضول میں اور مفضول کو فاضل پر مقدم
 کرنے میں اور نفس الامری میں جو مقدم ہو اُس کو موخر کرنے میں اور یہ امر یعنی تفضیل مفضول
 اگر کفر نہ ہوگا تو کم از کم فتن ضرور ہوگا کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے من کان فی ہذہ اعین
 فہو فی الآخرۃ اعین و اصل سبب اور علی و ابیہائی کی تفسیر حق کے نہ سیکھنے سے
 کی گئی ہے اور کیونکہ وہ حکم کرتا ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے نہیں ہے کہ جو اعمال سے متعلق
 ہیں باد صف اس امر کے کہ اکثر مخالفین درمیان اہل تشیع و جمہور اہلسنت کے اس حد
 پر پہنچ گئی ہیں کہ ایک دوسرے پر لعن کرتا ہے اور یہ جملہ امور اسی مسئلہ کی وجہ سے
 واقع ہوئے ہیں پس اس وقت میں اس مسئلہ کی تحقیق واجب ہوگی اور اس معاملہ
 میں یقین کا حاصل کرنا ضروری ہوگا تاکہ معلوم ہو کہ کس شخص کی اطاعت واجب ہے
 اور کس کی واجب نہیں ہے اور موجب تاراضی خداوند عالم نہ قرار پائے۔ اور
 موافق کا یہ بیان کہ نصوص اخصیلت آپس میں متعارض ہیں پس یہ مسلم نہیں کیونکہ ہم سابقاً

ذکر رکچکے ہیں کہ جو نصوص امیر المومنینؑ کی شان میں وارد ہوئے ہیں وہ ایسے ہیں
 کہ ان پر فریقین کا اتفاق ہے بخلاف ان روایات کے جو خلفاِ ثلاثہ کے بارے
 میں منقول ہیں ان پر فریقین متفق نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ جو ان کے مطاعن مروی ہیں
 وہ ان فضائل سے کہ جو روایت کے جاتے ہیں متعارض ہیں اور اس امر کو تم خوب سمجھو
 یکن یہ جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ کثرتِ ثواب کی خصوصیت موجب زیادتیِ ثواب نہیں ہو
 قطعاً بلکہ زیادتیِ ثواب کا گمان ہے کیونکہ ثواب ایک تفضل ہے خدا کا پس اُس کو اس امر
 کا اختیار ہے کہ بندہ مطیع کو ثواب نہ عنایت کرے اور غیر مطیع کو ثواب دیدے پس یہ
 امر مردود ہے اُس بیان سے جس کو ہم سابق میں ذکر کر آئے ہیں اس قاعدہ سے کہ حسن
 و نفع دونوں عقلی ہیں اور یہ جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ ثبوتِ امامت اگرچہ قطعی ہے لیکن اس
 افضلیت کا قطع نہیں ہو سکتا تو یہ اس لئے مردود ہے کہ جب امامت مفضول کی فاضل
 کے ہوتے ہوئے صحیح نہ ہوگی جیسا کہ مقتضائے عقل سلیم ہے تو صحتِ خلافت افضلیت پر نہ ہوگی
 اور اگر افضلیت قطعی نہ ہوتی تو خلافت بھی قطعی نہ ہوگی اور یہ قول اُس کا کہ یہ بھی قطعی نہیں ہے
 کہ فاضل کے موجود ہوتے ہوئے مفضول کی امامت صحیح نہ ہو پس یہ ایک مکابرہ ہے جیسا کہ
 عقل سلیم حکم کرتی ہے قطعاً اور مثلاً اس قول کا اچھا سمجھنا ہے اس فعل کو کہ جس کو سلفِ امامت
 کے بارے میں کرتے آئے ہیں اگرچہ یہ فعل مقتضائے عقل کے خلاف ہے لہذا یہ قول
 قابلِ التفات نہیں ہے اور یہ جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ ہمنے اپنے سلف کو اسی طرح پایا کہ
 وہ خلفاِ ثلاثہ کو افضل جانتے تھے پس یہ بیان بھی اُس کا مردود ہے اس طرح پر کہ یہ اسلاف
 انھیں لوگوں میں سے تھے کہ جن پر نہ تو خدا رحم کرے گا اور نہ ان کے اعمال کو پاکیزہ
 قرار دے گا بلکہ ان کے لئے عذاب الیم مقدر فرمایا گیا کیونکہ انھوں نے اُسی بری عادت
 کی تقلید کی جس کو خداوند عالم اپنی کتاب میں اس طرح رد فرماتا ہے۔ دراخلکہ اس میں
 کفر کے لئے ایک عتاب ہے اور ان کے قول کی حکایت میں یہ ارشاد فرماتا ہے انشا

وجدنا اباہنا علی امۃ وانا علی اثارہم مقتدون یعنی ہم نے اپنے
 آبا و اجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور ہم اپنے اُن اسلاف کی پیروی کے جائیں گے اور ان
 لوگوں کا اپنے اسلاف سے حسن ظن کرنا صرف اسی وجہ سے ہے کہ ان میں فہم و دانائی
 کی کمی ہے اور یہ پیروی کرنا اور اپنے آبا سے حسن ظن رکھنا اسی قبیل سے ہے کہ جس کے
 بارے میں خدا فرماتا ہے کہ اِنَّ بَعْضَ الْبَطْنِ اَشَدُّ لِبَنِيهِمْ لِحُبِّهِمْ خُلُوعًا
 اُن کی وجہ متابعت کا متقاضی نہیں ہے جیسا کہ یہ ظاہر ہے بہر حال ان لوگوں نے
 افضلیت کی بنا پر ترتیب وجودی ضروری پر رکھی ہے اور اس امر سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ
 ہم جانتے ہیں کہ اگر یہ لوگ قبل جناب امیر المومنین علیہ السلام کے پچاس خلیفہ بھی بناتے
 تو ہر آئینہ اُن سب کو آنحضرت پر فضیلت دیتے اور ترتیب وجودی و ضروری کیونکر موجب
 افضلیت ہو سکتی ہے باوصفیکہ خلفاء فضائل و کمالات سے خالی ہیں اور اُن کی نہت
 امیر المومنین سے وہی ہے جو نسبت صفر کو عدد دے ہے مگر اُن کا تقدم
 ضروری و وجودی امیر المومنین علیہ السلام پر موجب زیادتی مرتبہ و مقام آنحضرت ہے
 (بسبب کثرت فضائل و شرافت فضائل) جیسا کہ شاعر نے کیا خوب نظم کیا ہے۔ شعر
 از رتبہ ضروری خلافت مقصود جز عرض کمال اسد اللہ بنود

گر گشت رقم سے صفر پیش از الف پیدا است کہ در رتبہ کدے افراد

اور گویا کہ قوم نے باوصف اس امر کے کہ علم منطق سے جاہل ہے امیر المومنین علیہ السلام کو
 علم منطق کی شکل ربع سے تشبیہ دی ہے جبکہ ساقط کیا اُن میں سے بعض نے آنحضرت کے
 درجہ خلافت کو بسبب اس کے کہ آپ نے خلیفہ اول کی مخالفت کی اور جمہور مسلمین نے اہل
 کے بعد ثانی کا اس وجہ سے اتباع کیا کہ ثانی نے اول سے موافقت کی تھی بہترین مقتدین
 میں نزدیک اُن کے اور وہی مقدمہ غلب خلافت اہلبیت علیہم السلام کا تھا اور اسی
 سے ان دونوں کا نام عمرین بجا پھر ثالث پر جمہور نے اس وجہ سے اعتبار کر لیا کہ وہ ایک

دوسری بات کی موافقت پر راضی ہو گیا اور وہ یہ تھی کہ اولین کے احکام کی ترویج اور انھیں
 کی سیرت کا اتباع کرتا رہے گا اور امیر المؤمنین علیہ السلام کا چوتھے درجہ پر اعتبار کیا کیونکہ آپ
 اول و ثانی سے درحقیقت مخالف تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب مجلس شوریٰ میں امیر المؤمنین
 سے عبد الرحمن بن عوف نے عرض کی کہ اگر آپ سیرت شیخین کا اتباع کریں تو ہاتھ بڑھا دیجئے
 میں آپ سے بیعت کرتا ہوں اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ کبھی نہ ہوگا میں بمقتضا
 کتاب خدا و سنت رسول احکام جاری کروں گا پس عبد الرحمن نے اس کو قبول نہ کیا اور
 آنحضرت کو ترک کر کے عثمان سے بشرط مذکور بیعت کر لی اور اس نے اس شرط کو قبول کر لیا
 اور آدمی نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ کوئی فضیلت ایسی نہیں ہو سکتی ہے کہ جو کسی ایک شخص کے ساتھ
 مخصوص ہو مگر یہ کہ دوسرے کی بھی شرکت اس میں بیان کی جا سکتی ہے پس اس کلام میں
 نظر اعتراض ظاہر ہے کیونکہ جب یہ امر فرض کر لیا جائے کہ ایک فضیلت مخصوص ہے شخص
 واحد معین کے ساتھ منجملہ اور اشخاص کے اس وقت یہ کیوں جو ممکن ہوگا کہ پھر کسی غیر کی مشارکت کا
 بیان کیا جائے سوائے اس امر کے کہ اس اشتراک سے اصل نوع فضائل میں شرکت کا ارادہ
 کیا جائے لیکن اس قسم کی شرکت کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک طفل جو تصرف زنجانی پڑھتا ہو
 اپنے معلم کا جو علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل متبحر ہو علم میں شریک سمجھا جائے یا یہ دعویٰ کیا جائے
 کہ ایک شخص جس نے باب خیبر کو اکھاٹا اور عمر بن عبدود کو قتل کیا یا اس کے مثل دیگر کارہا
 نمایاں کئے اس کا شریک فضیلت شجاعت میں وہ شخص ہے کہ جس نے صرف اپنے گھر کا
 دروازہ اکھاٹا یا ایک سو سار کو مارا ہو یا کسی چوہے کو مار ڈالا ہو اور اس طرح کی مشارکت
 دعویٰ نہایت ہی امر شنیع اور مہمل قرار پایگا۔ اور یہ جو صاحب موافق نے ذکر کیا ہے کہ
 کثرت فضائل سے ترجیح نہیں لازم آتی ہے کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ کسی شخص میں ایک
 ہی ایسی فضیلت پائی جائے جو راجح تر ہو دیگر فضائل کثیرہ سے پس یہ مرد وہ ہے اس میں
 جو سابقہ ذکر کیا گیا کہ ہم کو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ امامت کے لئے ایسے شخص کو

تلاش کریں جس میں جملہ شرائط امامت و ریاست بحیثیت فضائل و کمالات ظاہر ہو پائے جائیں اور مرد عاقل اس احتمال کی طرف کبھی توجہ نہ کریگا کہ شاید اور کوئی اس شخص کے علاوہ ایسا شخص ہو کہ جس میں ان فضائل میں سے کوئی فضیلت موجود نہ ہو مگر وہ خدا کے نزدیک اس شخص جامع فضائل سے افضل ہو اور اگر ایسا ہی خیال فاسد معتبر ہو اگر سے تو لوگوں کو اپنا رئیس یا امام بنانے میں سخت مشکل ہو جائے کیونکہ اس امر کا احتمال بھی ممکن ہے کہ ہر جانک و حجام اور بازاری یا بھول شخص جو پہاڑ میں رہتا ہو یا خشکی و تری کہیں بھی ہو اشراف قوم سے جو مشہور بفضل ہیں ان سے افضل قرار پائے اور جب یہ حالت ہوگی تو امام متصف بہ شرائط مذکورہ کی تعیین کا سد باب ہو جائیگا۔

اور لازم ہے کہ اولیاء آمدی جو مثل اپنے استاد کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر فرار کر جاتے ہیں اور ادھر سے ادھر تاویل میں کرتے پھرتے ہیں اس امر کو بیان کریں کہ جن لوگوں نے ابوبکر کی امامت کو اختیار کیا جو آیا یہ اختیار و انتخاب انھیں فضائل کے سبب واقع ہوا ہے جن کی طرف یہ لوگ اپنے خلیفہ کو منسوب کرتے ہیں اور خلیفہ کی شان میں بکثرت احادیث موضوع کئے ہیں یا یہ انتخاب امامت خلیفہ کے ان فضائل باطنیہ کے سبب ہوا ہے جو کئی ظاہر نہیں ہوئے یا ابوبکر کو امامت و خلافت کے لئے منتخب کرنا ایک اتفاقی امر تھا کہ جو محض اپنی خواہش سے اختیار کیا گیا اور اس کا کچھ پاس و لحاظ نہ ہو کہ آیا وہ متصف بہ فضائل ظاہریہ و باطنیہ تھے یا نہیں بلکہ ان لوگوں کی نظروں میں ابوبکر کا غلام بھی مثل ان کے استحقاق خلافت کے لئے مستحق تھا پس اب غور کرو کہ اگر تیسری صورت صحیح مانی جائے (یعنی انتخاب ابوبکر محض اتفاق خواہش نفس سے ہو گیا) تو یہ شان خلیفہ صاحب کے لئے نہایت ہی تحقیر کی بات ہوگی اگرچہ درحقیقت ایسا ہی ہوا۔ اور اگر دوسری صورت تسلیم کرنی جائے (یعنی ان کو ان فضائل باطنیہ کی وجہ سے جو کسی پر ظاہر نہ ہوئے ان کو خلیفہ بنا دیا) تو یہ محال ہے کیونکہ جو شخص متصف بہ فضائل ظاہرہ نہ ہو اس کو فرضی اور باطنی فضیلتوں کے وہم و گمان

پہ اس عہدہ جلیلہ کے لئے منتخب کر لینا بالکل خلاف عقل ہے اور جب یہ دونوں صورتیں
 صحیح نہیں تو امر اول ہی متعین ہو یعنی سنیوں کو لازم ہے کہ کہیں کہ لوگوں نے ابو بکر
 کو ان کی ظاہری فضیلت کی وجہ سے منتخب کیا اور شرائط امامت و ریاست کے
 لئے عاقل کے نزدیک یہی بات مناسب ہے کہ جس میں کثرت سے فضائل پائے جائیں
 وہ امام ہوگا اور کثرت فضائل بجز امیر المومنین علیہ السلام کے اور کسی میں متحقق نہیں ہے
 جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا اور بعون اللہ آئندہ اور بیان کیا جائے گا۔ اور جو کچھ شارح عقائد
 نسفی نے ذکر کیا ہے پس اُس کے اکثر مقدمات مشترک ہیں اُن دلائل سے جن کو ہم نے
 صاحب موافق سے نقل کر کے باطل کیا ہے مگر شارح عقائد نسفی کا یہ محاکمہ جس پر وہ اپنے
 اس قول سے دلیل لایا ہے کہ انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب کا ارادہ
 کیا جائے تو اس میں توقف کی وجہ ہے پس اُس کی یہ دلیل اس طرح مردود ہے کہ اگر
 وہ ثواب جس کی تحصیل کی سبب سے وہ لوگ افضل قرار پائے اُس طاعت کے
 مقابلہ میں حاصل ہوا ہے جیسا کہ کتاب و سنت سے ظاہر ہوتا ہے اور اُس کو ہم نے
 سابقاً بیان بھی کیا ہے پس بلا شک جس شخص کی اطاعت زیادہ ہوگی اُسی کے لئے ثواب
 زیادہ ہوگا اب اگر اسی کے حالات پر نظر کرو تو یہ امر بالکل واضح ہوگا کہ امیر المومنین علیہ
 السلام کی اطاعت براتب دیگر اصحاب سے زیادہ ہے کیونکہ اُن جناب نے اپنی مدت
 العمر خدا کی اطاعت فرمائی اور کبھی عصیان نہیں کیا اور آپ کے علاوہ دیگر اصحاب
 نے ایک کثیر حصہ اپنی عمر کا کفر و عصیان خدا میں صرف کرنے کے بعد اطاعت الہی کو اختیار
 کیا ہے جیسا کہ ابو سعید خدری نے اس کو نظم کیا ہے شعر

عبد کالہ وغیرہ من جملہ ما زال منعکفا علی اصنامہ

امیر المومنین علیہ السلام نے خدائی عبادت کی اُس حال میں کہ غیر اُن جناب کا اپنی جہل
 سے بت پرستی پر مقیم تھا اور وہ جناب ہمیشہ اپنے خالق ہی کی عبادت میں مشغول رہے

اور سوائے اُن حضرت کے تمام اصحاب بسبب اپنی جہالت کے اصنام پرستی کرتے تھے اور اکثر ثواب مقابل اطاعت کے نہیں ہے تو وہ نہ ثواب ہے اور نہ وہ کسی تعظیم و تفضیل پر دلالت کہے گا کیونکہ کثرت ثواب کا طاعت کے مقابل ہونا بھی امر ثواب و تفضیل میں فارق ہے پس ایسی حالت میں شایع عقائد نفی کے لئے کوئی وجہ توقف نہ ہوگی۔

کلام علامہ حلی علیہ السلام

ساتویں آیت فتلقى آدم اٰلہٖٓ ذنباً عظیمًا من قبل ما کان یؤمن بربہٗ فتاب وعلیہ السلام نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسالت صلم سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سے کلمات ہیں جن کی وجہ سے توبہ آدم قبول ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ آدم نے درگاہ باری میں عرض کیا تھا کہ خمسہ نجیہ کے حق کا واسطہ تو میری توبہ کو قبول فرما جب خداوند عالم نے اُنکی توبہ کو قبول کیا۔

قول ابن ربیعان

وہ کہتا ہے کہ مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کلمات کیا تھے چنانچہ بعض کہتے ہیں وہ کلمات تہلیل و تسبیح و تحمید کے تھے بعض کہتے ہیں کہ مناسک حج تھے جس کی وجہ سے توبہ قبول ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حصال عشو تھے جس کو کھانا مقرر بھی کہتے ہیں حضرت آدم کو اُن پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ توبہ قبول ہوا اور اگر بفرض مصنف نے جس روایت کو جمہور کی طرف نسبت دی ہے وہ صحیح بھی ہو اور ایں حالیکہ ہم کو اس جمہور کا پتہ نہیں ملتا تو علیٰ کی فضیلت کا ملہ پر دلالت ہوگی اور ہم خود اسے قائل ہیں اور جانتے ہیں کہ اصحاب کسار کے ساتھ تو سل کرنا بزرگ ترین وسائل و قریب ترین ذرائع سے ہے خدا کی طرف لیکن ان سے بعض امامت پر کوئی دلیل قائم نہیں

ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ یہ مرد اپنے مدعا سے علیحدہ ہو کر فضائل علی پر نص قرآن سے استدلال کرتا ہے در انحالیکہ یہ سب فضائل مسلم ہیں۔

جواب شکید ثالث علیہ السلام

میں کہتا ہوں کہ یہ امر بیان ہو چکا ہے کہ بعض مفسرین السنن کا مفسرین شیعہ کے ساتھ کسی امر میں اتفاق کر لینا قیامِ حجت کیلئے کافی ہے چنانچہ اس امر کی شہرت پر بھروسہ کرتے ہوئے بخیاں مختار مصنف جہاں اوقات صرف دیئے گئے ہیں ان پر چھوڑ دیتے ہیں اور راوی کا نام نہیں ذکر فرماتے ہیں۔ اور یہ کہ کلمات سے مراد مناسک حج ہیں یا اخصالِ عشرہ ہیں باوجود اسکے کہ ان چیزوں پر کلمات کا صدق ہو سکتا ہے یا نہیں مشہور تفسیروں میں سے کسی میں بھی مذکور نہیں شاید ناصبی نے تحریف کی ہو یا بھول گیا ہو اسلئے کہ مفسرین نے (جنہن صاحب کشف بھی ہیں) ان دونوں قولوں کو اذابتلی ابراہیم لایۃ کی تفسیر میں کر لیا ہے اور ناصبی کو دھوکا یوں ہوا کہ دونوں آیتوں میں کلمات کا ذکر ہے چونکہ اس کو امور دینی کی کوئی پرواہ نہیں ہے لہذا یہ دھوکا ہو گیا۔ لیکن ناصبی کا یہ کہنا کہ مصنف اپنے مدعا سے خارج ہو گئے تو اس کو ہم پہلے اعمیت مدعی کے بیان میں فرما کر چکے ہیں کہ خود ناصبی راہِ راست سے خارج ہو گیا ہے باعنوانِ بحث کو منتہائے حیرت سے بھول گیا ہے بلکہ خداوند عالم کا کثرت سے امیر المؤمنین کا قرآن میں ذکر کرنا اور آنحضرت کے حالات سے تمثیل فرمانا اور ان لوگوں کے ذکر کو ترک کرنا جن کو ناصبی آنحضرت کا قرنِ سیمنا ہے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت محبوب و منظورِ نظرِ رحمتِ الہی ہیں بمصدقِ ضربِ اللہ لنا مثلاً و منی خلفہ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت کے لئے ایسی ایک بھی فضیلت کا ذکر جو ان کے غیر میں نہ پائی جاتی ہو اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت اس فضیلت میں اپنے غیر سے افضل ہیں اور دوسرا مفضول یہ مقام غور و فکر ہے (مترجم کہتا ہے کہ تفسیر آجہ فلتقی آدم من ربہ کلمات کی اسارِ خمسہ بخیار کے ساتھ صاحب معارج النبوة نے کہہ دیا ہے

علمائے اہلسنت سے ہیں نقل کی ہے پس غفلت ابن روزبہان کی موجب کمال تعجب
ہے واللہ البہادی

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

آٹھویں آیت اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا مَّا اَکٰیہ ہے اس آیت کے
بارے میں جمہور نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتاً صلعم نے فرمایا کہ
یہ دعائیں اور علیؑ تک نہتی ہوئی کہ ہم میں سے کسی نے کبھی کسی صنم کو سجدہ نہیں کیا
پس مجھ کو خدا نے نبی قرار دیا اور علیؑ کو وصی۔

آٹھویں دلیل

قول ابن روزبہان

وہ کہتا ہے کہ یہ روایت کتب اہلسنت میں نہیں ہے اور نہ مفسرین میں سے
کسی نے اسکو ذکر کیا ہے اور اگر بغرض صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس امر کی دلالت
کے گی کہ علیؑ رسول اللہؐ کے وصی ہیں اور وصایت سے مراد علم و حکمت کا وارث
ہونا ہے جو کہ امامت پر نص نہیں ہو سکتی جیسا کہ مصنف کا دعویٰ ہے۔

جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس روایت کو ابن مغازلی شافعی نے اپنے اسناد سے عبداللہ بن مسعود سے
کتاب المناقب میں ذکر کیا ہے پس اس کے انکار میں اصرار سوار غناد کے اور کیا ہو سکتا؟
دعا مذکور سے مراد وہ دعا ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کے لئے طلب امامت
کے بارے میں خداوند عالم سے کی تھی لہذا یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ وصایت سے
مراد امامت ہے و نیز یہ کہ صنم کو سجدہ کرنا اور ایک مدت تک کافر رہنا منافی امامت

جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے۔ پس اس روایت سے خلفائے ثلاثہ کی نفی ہوتی ہے اور اس امر پر نص ہوتی ہے کہ وصایت سے مراد امامت ہی ہے نہ کہ میراث علم و حکمت۔ اس مقام پر اگر یہ کہا جائے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیں اور وصایت سے امامت بھی مراد لی جائے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی امامت معدوم ہو جائے اسلئے کہ جس طرح رسالہ کتاب پر اس دعا کا منتهی ہونے سے یہ لازم نہیں ہوا کہ کوئی نبی آنحضرت سے پہلے نہو اسی طرح امیر المومنین سے پہلے بھی کسی کا امام نہ ہونا لازم نہیں آتا بلکہ جو کچھ لازم قرار پاتا ہے وہ صرف اتنا کہ اُس امام نے کہ جس پر دعا منتهی ہوئی ہے کبھی صنم کو سجدہ نہ کیا ہو نہ یہ کہ اُس سے پہلے جو ائمہ ہوں انھوں نے بھی صنم کو سجدہ نہ کیا ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ انتہاء دعا کا ذکر بصیغہ ماضی (یعنی انتہت) ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رسالہ کتاب کے فرمانے سے پہلے دعا منتهی ہو چکی تھی اور کسی اور کا غلی سے پہلے امام ہونا اسکے منافی ہے ہاں اگر یہ فرمایا ہوتا کہ سینتہی (یعنی آئندہ منتهی ہوگی) تو ہو سکتا تھا کہ ایسا خیال کیا جائے اور چونکہ ایسا نہیں ہے لہذا یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا پس نبی و علیؑ پر انتہاء دعا کا فرق ظاہر ہے۔ علاوہ بریں اس روایت کی عدم صحت ہمارے لئے مضر نہیں اسلئے کہ ہماری غرض یہ ہے کہ ہم سنیوں کو اس کا ملزم کر دیں کہ ابو بکر و عمر و عثمان امام نہ تھے۔ اور اسی کے قریب قریب وہ روایت بھی ہے کہ جب کو نفی حنفی نے تفسیر مدائک میں آیہ بخوبی کی تفسیر امیر المومنین سے روایت کی ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے رسالہ کتاب سے متعدد سوال کئے یہاں تک میں نے دریافت کیا کہ حق کیا چیز ہے تو رسالہ کتاب نے فرمایا کہ اسلام و قرآن اور ولایت جب کہ تم تک پہنچے۔ اور شرط کا مفہوم اللہ علم اصول کے نزدیک حجت ہے لہذا یہ ثابت ہوگا کہ امامت و ولایت قبل اس کے کہ امیر المومنین تک پہنچے باطل ہے پس ان لوگوں کی خلافت جو حضرت سے پہلے خلیفہ بن بیٹھے باطل تھی۔

کلامہ علامہ حلی علیہ الرحمہ

نویں آیت ان الذین امنوا و عملوا الصالحات الا یہ ہے جمہور نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المؤمنین کی شان میں نازل ہوئی ہے اور کہا کہ لفظ و د سے مراد قلوب مؤمنین میں محبت ہے۔

قول ابن روزبهان

وہ کہتا ہے کہ یہ روایت اہل سنت کی تفاسیر میں نہیں ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو علی کی محبت پر دلالت کرتی ہے جو اتفاق علماء واجب ہے لیکن اس سے امامت پر نص نہیں ثابت ہوتی۔

جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

یہ روایت تفاسیر اہل سنت میں سے تفسیر رازی و تفسیر نیشاپوری میں مذکور ہے اور ابن حجر کی کتاب صواعق محرقہ میں بھی ہے بلکہ اس میں اور زیادہ اس ناصبی شقی منکر فضائل علیؑ کی رغم الف ہے اس لئے کہ ابن حجر لکھتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے کہ عباس نے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ سے شکایت کی کہ قریش ہمکو دیکھ کر بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور جو آپس میں باتیں کرتے ہوتے ہیں تو چپ ہو جاتے ہیں یہ سن کر آنحضرت صلعم کو اتنا غیظ آیا کہ پھر سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ قسم اُس کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری حیات ہے کہ کسی شخص کے قلب میں اُس وقت تک ایمان نہیں داخل ہو سکتا جب تک کہ وہ تم لوگوں کو خدا اور اُس کے رسول کے لئے چاہتا نہ ہو اور دوسری روایت صحیحہ میں ہے کہ کیا ہو گیا ہے اُن کو کہ میرے اہلبیت میں سے کسی کو

دیکھ اپنی باتوں کو قطع کر دیتے ہیں قسم بخدا کسی شخص کے قلب میں ایمان اس وقت
 آپ جاگزین نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ میرے اہلیت کو محض رشتہ اور میری قرابت
 کی وجہ سے نہ چاہتا ہو ختم ہوا قول ابن حجر اب ابن روز بہان کا یہ کہنا کہ اس روایت
 سے امامت امیر المومنین پر نفص نہیں ثابت ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کی
 محبت کو خدا اقلوب مومنین میں جگا دے اور اس امر کا بیان مقام احسان میں کرے اس
 کا معصوم ہونا ضروری ولا بدی ہے اور جب عصمت ثابت ہو گئی تو امامت ثابت۔

کلام علامہ حلی علیہ السلام

دسویں آیت اثبات امامت میں ائمانت منذر و لا کلی قوم ہاد
 ہے جمہور نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں منذر
 (ڈرائیوالا) ہوں اور علی ہادی (ہدایت کرنے والے) ہیں اور اے علی تم سے ہدایت
 حاصل کرنے والے ہدایت پائیں گے۔

قول ابن روز بہکان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت جو مصنف نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے وہ
 کتب تفاسیر اہل سنت میں نہیں ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو امامت پر نفص پھرنے پر
 دلالت نہیں ہے زیادہ سے زیادہ علی کا ہادی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح اور اصحاب
 کا ہادی ہونا ثابت ہے اس لئے کہ جناب رسالتہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اصحابی
 کا لجنہ رائے یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی
 بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

جَوَابِ جَنَابِ شَہِیدِ ثَالِثِ عَلَیْہِ الرِّحْمَہ

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اہل سنت کے امام فخر الدین رازی نے تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اس آیت میں چند اقوال ہیں پہلے اور دوسرے کے بعد ذکر کرتا ہے کہ تیسرا قول یہ ہے کہ منذ رجاء رسالتا ہے اور ہادی علیؑ ہیں ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ رسالتا نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کے فرمایا میں منذ رہوں اور علیؑ کے شانہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم ہادی ہو اے علیؑ تم سے ہدایت پانچوں طرف ہدایت پائیں گے بعد ختم ہوا کلام رازی اس کے علاوہ ابن عقدہ نے ایک مستقل کتاب اس آیت اور ان روایات میں تصنیف کی ہے کہ جن میں اس کا ذکر ہے کہ یہ آیت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس روایت کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ کی طرف اسناد کر کے بعینہ اسی طرح ذکر کیا ہے جس طرح کہ رازی نے ذکر کی ہے تیسرا ثعلبی نے امیر المومنینؑ سے بھی اس طرح نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ منذ رسالتا ہے اور ہادی بنی ہاشم میں سے ایک شخص ہے اور اس سے مراد حضرت نے خود اپنے نفس کو لیا ہے ختم ہوئی حدیث اس سے ظاہر ہوا کہ ابن روز بہان کا یہ کہنا کہ اہل سنت کی تفاسیر میں یہ روایت نہیں ہے کس قدر باطل ہے اور یہ کہنا کہ اگر اس کو مان بھی لیں تو صرف اس امر پر دلالت کریگی کہ علیؑ ہادی ہیں اور یہ مسلم ہے۔ "غلط ہے اس لئے کہ صرف ہدایت پر دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ کمال ہدایت بلکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ امت محمدیہؑ میں پہلی ہادی صرف حضرت ہی ہیں۔ بالجملہ خصوصیات اور نیز یہ کہ حضرت امیر المومنینؑ اس آیت میں جناب رسالتا کے مقابل واقع ہوئے ہیں اس طرح کہ ایک منذ رہیں اور ایک ہادی اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت مقدم ہیں ہر اس شخص پر کہ جو حضرت کے مقابل میں مدعی خلافت و امامت

ہو اور اقی ہیں اس لئے کہ صرف حضرت ہی کا ہادی ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ
 وہ ہر وقت میں ہادی ہوں جیسا کہ قول خداوند عالم سے مجملًا اور قول رسالتا ہے تفصیلاً
 ثابت ہوا اب رہی وہ روایت کہ جس میں اصحاب کو مثل ستاروں کے بیان کیا گیا ہے تو
 اس کے موضوع اور باطل ہونے کے آثار ایسے ظاہر ہیں کہ پوشیدہ نہیں ہو سکتے اس لئے
 کہ یہ قول جو حضرت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو صرف
 اصحاب سے فرمایا ہو یا اصحاب اور غیر اصحاب سب سے فرمایا ہو اور یا صرف غیر اصحاب سے
 خطاب کیا ہو پہلی دو صورتوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسا کلام حمیم خود اصحاب
 سے کہا جائے کہ میرے اصحاب مثل نجوم کے ہیں جن کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے
 فصیح کہا جاسکتا ہے؛ کیونکہ وہ تو خود ہی ہادی ہیں ان کو کسی کی پیروی کی کیا ضرورت
 ہے اب رہی تیسری شکل اُس کے متعلق یہ ہے کہ آیا کوئی روایت صحیح اسکے متعلق ہے کہ یہ
 کلام صرف غیر اصحاب کے لئے فرمایا یا آپ محض اپنی عقل سے اسکو تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ
 اس روایت کو تو صرف صحابہ بلکہ عمر نے نقل کیا ہے اگر غیر اصحاب سے فرمایا ہو تو کوئی ایک
 تو اس کا ذکر کرتا کہ رسالتا صبیٰ اصحاب کے علاوہ اور تمام مسلمین کے لئے فرمایا ہے کہ
 اصحاب مثل نجوم کے ہیں جسکی بھی چاہو پیروی کرو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور جبکہ تھلے یہاں
 ایسی کوئی نقل نہیں ہے تو تھاراد عوی باطل۔ اسکے علاوہ اور چیزیں کہ اس حدیث کے
 موضوع ہونیکسی کاشف ہیں مجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ قاضی عیاض کے شارح نے
 ذکر کیا ہے (جناب شہید علیہ الرحمہ نے اس شارح شفا کا نام تحریر نہیں فرمایا لیکن اقوال
 علماء قدح حدیث نجوم کے متعلق علی قاری نے شفا میں اور خفاجی نے شرح شفا میں بھی
 لکھے ہیں۔ مترجم) کہ اس حدیث کو دارقطنی نے اخراج کیا ہے فضائل صحابہ اور ابن عجلہ
 نے کتاب العلم میں اخراج کر کے کہا ہے کہ اس اسامے کوئی حجت نہیں قائم ہو سکتی۔
 اسلئے کعارث بن عیینہ اس کا راوی بھول ہے اور عبد بن حمید نے اپنی سند میں اس کو

عبد الرحیم بن زید سے اور اُس نے اپنے باپ سے اور اُس نے سیب سے اُد سے عمر سے روایت کی ہے ہزار نے کہا ہے کہ یہ روایت منکر ہے صحیح نہیں ہو سکتی اور ابن عدی نے کمال میں اسکی روایت کی ہے حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی سے اُس نے نافع سے اُس نے عمر سے لیکن اس میں بایہذا اقتدایت کی جگہ بایہذا اخذ تم ہے اور یہ اسناد بسبب حمزہ کے ضعیف ہے اس لئے کہ وہ متہم بالکذب ہے۔ اور یہی نے مدخل میں اس کو ابن عباس سے نقل کر کے کہا ہے کہ تین تو اس روایت کا مشہور ہے لیکن اس میں اسکی سبب ضعیف ہوئی کوئی بھی ثابت نہیں۔ ابن حزم کہتا ہے کہ یہ روایت بالکل غلط جھوٹ اور بنائی ہوئی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی نے کہا ہے کہ مصنف یعنی قاضی عیاض کو لازم تھا کہ اس روایت کو بصیغہ قطع ذکر نہ کرتے اس لئے کہ اس روایت کی علما کے نزدیک جو حالت ہے وہ ظاہر ہے شایع شفا کا کلام ختم ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خود اہل سنت اس روایت کو غلط اور موضوع جانتے ہیں بغرض اگر ہم اسکو صحیح بھی مان لیں تو تمام اصحاب علی الاطلاق اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے اسلئے کہ اصحاب میں بعض ناکثین بعض قاسطین بعض مارقین وغیرہ بھی تھے اور ان کے اتباع کے حق میں جو کچھ آیا ہے وہ معلوم ہے تو کیا کسی مارق کا پیرو بھی ہدایت یافتہ ہوگا؟ نیز قاتلان عثمان نے قتل عثمان میں کل صحابہ کی رہنا براختلاف کے یا بعض صحابہ کی (بنا بر اتفاق کے) پیروی کی تو مصنف اسکو تسلیم کر لے گا کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ تھے؟ لہذا معلوم ہوا کہ لفظ اصحاب سے اس روایت میں مراد بعض ایسے بزرگان صحابہ ہیں کہ جو علم و کمال سے متصف ہوں اسلئے کہ وہی ایسے ہیں کہ ان سے مثل نجوم ہدایت حاصل کی جائے اور ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق میں اسی طرح کی تخصیص کی ہے اُس روایت کی جس میں کہ اہل بیت کے لئے فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت اہل زمین کے لئے باعث امان ہیں جیسے کہ نجوم اہل سمار کے لئے۔ ابن حجر کہتا ہے کہ اہل بیت سے مراد وہی لوگ ہیں جو علم و کمال

وغیرہ کے متصف ہوں۔ اور اس حدیث (یعنی حدیث نجوم) میں اگر بعض خاص صحابہ
مراد نہ ہوں تو بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے مجملات ہاں
بیان کیا اور بعض کو اوائل کتاب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس حدیث کے متعلق کئی سی
شاعر نے کیا اچھا شعر کہا ہے شعر

صحابہ گرچہ جسمہ کا نجوم اند دے بعضے کو اکب نخل شوم اند
اس ناصبی گمراہ کو دیکھنا چاہیے کہ امت کی ہدایت کے قابل وہ بزرگوار ہو سکتا ہے
جو سلونی عمادون العرش (یعنی مجھ سے عرش باری تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے
سوال کرو) کہتا ہو اور اسی طرح کے اور اقوال اُس کے ہوں جو دلالت اُس کے کثرت
علم پر کرتے ہیں یا وہ شخص جو کلام اور اب کے معنی نہ جانتا ہو اور خود اس کا اعتراف
کرے کہ پردہ کی بیٹھنے والی عورتیں تک مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں اور شرم تہہ کہے لو کہ
علیٰ لہلک عمر اور ہذا معضلة ولا باحسن لہا ناظر کو چاہیے کہ غور کرے
اس امر پر کہ خدا فرماتا ہے افمن یدہی الی الحق احق ان یتبع امن لا یدہی
الا ان یدہی فما لکم کیف تحکمون **تکمیل جمیل** یہ جانتے کے قابل بات
ہے کہ جب ایک روایت اہل سنت کے طریقے نقل کی ہوئی اس پر دلالت کرے
کہ امیر المؤمنین علیہ السلام افضل بلکہ صرف وہی حضرت مخصوص و متفرد ہیں کسی خاص فضیلت
کے ساتھ اور دوسری روایت ایسی پائی جائے انہیں کے طریق سے کہ جو کسی دوسرے
کی فضیلت پر یا حضرت کے ساتھ اُس فضیلت میں شرکت پر دلالت کرتی ہو تو عقل سلیم حکم
کی گئی کہ پہلی روایت سچی اور دوسری جھوٹی ہے جیسا کہ والدی العلام نے اپنے بعض
تعلیقات میں اس طرح واضح فرمایا ہے کہ صاحبان عقل پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اجتماع
نقیضین اور ارتقاع نقیضین دونوں محال ہیں تو واقع میں نقیضین میں سے صرف ایک
ہی واقع ہو سکتا ہے اس تمہید کے بعد یہ امر قابل غور ہے کہ ہم بہت سی معتبر احادیث

میں کہ جو جمہور کے نزدیک صحیح ہیں دو ایسی حدیثیں پاتے ہیں کہ دونوں کو ایک ہی شخص نے نقل کیا ہے اور ایک ان میں سے واضح و صریح طور سے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام فضیل ہیں اور دوسرے ان کے غیر کی فضیلت پر دلالت کرے تو زادی دونوں میں صادق نہیں ہے اس لئے کہ دونوں میں تناقض ہے اور نہ دونوں میں کاذب ہے کیونکہ دونوں کا ترک کر دینا خلاف اصول ہے تو لا محالہ ایک میں صادق ہوگا اور ایک میں کاذب اب اگر وہ یہ کہیں کہ راوی نے اس روایت میں جھوٹ بولا ہے کہ جو امیر المؤمنین کے حق میں ہے تو ہم اسکو قبول نہیں کریں گے اس لئے کہ ایک روایت میں جھوٹ بولنے کی وجہ سے دوسری بھی قابل اعتبار نہیں رہی لہذا وہی روایت صحیح ہوئی کہ جو امیر المؤمنین کے حق میں ہے اور دوسری غلط ہے اس لئے کہ ہم اسکو صرف اس وجہ سے صحیح نہیں مانتے کہ راوی اہل سنت سے ہے بلکہ ہم اور بہت سی صحیح و متواتر حدیثیں ایسی ہی ہیں کہ جن کو ائمہ معصومین علیہم السلام نے اور کیا صحابہ نے جو کہ مؤثقین ہیں روایت کی ہیں اور وہ سب اس روایت کی مؤید ہیں۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

گیا رہیں آیت وَفَعَلُوهُمْ إِنَّهُمْ مُسْتَوْفُونَ بے جمہور نے ابن عباس انھوں نے ابو سعید خدری سے انھوں نے اجاب بکتاب صلعم سے روایت کی ہے کہ ولایت علی ابن ابی طالب سے سوال کیا جائے گا۔

قول ابن روز بہان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اہل سنت کے نہیں ہے اور اگر صحیح ماں لیں تو یہ معلوم ہوگا کہ علیؑ اولیاء خدا سے ہیں دلی محب و مطیع کو کہتے ہیں لہذا یہ آیت بھی امامت پر نفس نہ ہوگی۔

گیا رہیں آیت

جَعْفَرُ جَنَابُ شَهِيدِ ثَالِثُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

ابن روز بہان کا یہ کہنا کہ یہ روایت اہل سنت کے یہاں نہیں ہو چھل و عناد کی جو
 سے ہے اسلئے کہ صواعق ابن حجر میں یہ روایت دہلی و واحدی سے منقول ہے چنانچہ
 ابن حجر کہتا ہے کہ دہلی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت ﷺ
 فرمایا کہ وقفوہملا فہم مسئلون عن ولایت علی (یعنی روک لو ان لوگوں کو ان کے
 ولایت علی کے بارہ میں سوال کیا جائے گا، اور یہی مراد واحدی کی بھی ہے چنانچہ اُس نے
 کہا ہے کہ اس آیت کے بارہ میں روایت کی گئی ہے کہ ولایت علی و اہل بیت کے بارے میں
 سوال کیا جائے گا اس لئے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ خلق کو بتلائیں
 کہ وہ حضرت تبلیغ رسالت پر کوئی اجر سوا محبت اہل قرابت کے نہیں چاہتے لہذا ان سے
 سوال کیا جائے گا کہ آیا انھوں نے اہل بیت کو جیسا کہ چاہئے تھا اور جیسا کہ نبی نے وصیت
 کی تھی دوست رکھا یا نبی کی وصیت کو ضائع کر دیا تو انھیں سے مطالبہ کیا جائے حکم ہوا اگلا
 ابن حجر آج رہا یہ امر کہ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو وہ حضرت اولیاء خدا میں سے
 ہوں گے و بس تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ولایت جسکے لئے ٹھہرا کر سوال کیا جائے گا وہ
 معنی امامت میں ہے کہ جو مساوی نبوت ہے نہ محبت اسلئے کہ محض محبت کوئی اصل اعتقاد نہیں
 قرار دی گئی ہے کہ اس سے سوال کیا جائے بلکہ وہ تو لازم ہے اس امر کا کہ کسی ذات کو نبی
 یا امام سمجھا جائے تو اس سے محبت بھی ہوگی اور جبکہ ولایت کے معنی امامت ہوئے تو یہ
 آیت امامت پر ضرور نص ہوگی چاہے نا صبی کی اس میں ذلت ہو۔

کَلَامُ عَلَامِ حَلِی عَلَیْہِ السَّلَامُ

بارہویں آیت ولتقرضہم فی لحن القول ہے چہوئے ابو سعید خدری

روایت کی ہے لحن سے مراد یہ ہے کہ وہ علیؑ سے بغض رکھتے ہیں۔

قول ابن روزبهان

یہ بھی تفسیر اہل سنت میں نہیں ہے اور اگر صحیح ہو تو علیؑ کی فضیلت پر دلالت کرے گی نہ یہ کہ امامت پر بغض ہو۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس آیت کو حافظ ابو بکر موسیٰ بن مروویہ نے کتاب المناقب میں اُن روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ جو امیر المومنینؑ کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہیں اور وہ سب کتاب کشف الغم میں مذکور ہیں۔ اس آیت سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ جس شخص کے بغض کو خداوند عالم نے دلیل نفاق و کفر قرار دیا ہو وہ سوائے نبی یا امام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ نبی کے بعد تمام خلق سے افضل ہو۔

کلام علامہ حسینی علیہ الرحمہ

تیسری آیت السابقون السابقون اولئک المقربون ہے چنانچہ جمہور نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس کے سابق جناب علی بن ابی طالب ہیں۔

قول ابن روزبهان

ہاں یہ حدیث روایت اہل سنت سے ہے مگر اس کی عبارت یہ ہے کہ سابق الا ثلاثہ مؤمن ال فرعون و حبیب النجار و علی بن ابی طالب اور اس میں شک نہیں کہ علی سابق فی الاسلام اور صاحب بقیۃ ائرفضائل ہیں ایسے کہ جن کا اخفا نہیں ہو سکتا

لیکن آیت امامت پر نص ہونے پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ماثبوت نص ہے۔

جواب شک ثالث علیہ السلام

اس روایت کے آخر میں خصوصاً اس روایت میں جس کو فخر الدین رازی نے بتایا
وقال رجل من آل فرعون یہ کتم ایمانہ الا کیہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے جملہ وہو فضلہم
واقع ہے جس کو ناصب شقی نے محض امیر المومنین کی عداوت اور اس امر سے بچنے کیلئے کہ
اس فقرہ کے ذکر کرنے سے امیر المومنین کا اس امت سے افضل ہونا ثابت نہ ہو پوشیدہ
کیا ہے پس غور کرنا اور سمجھنا چاہیے۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ السلام

چودہویں آیت اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارة المسجد الحرام
الی قولمان اللہ عندہ اجر عظیم ہے جمہور نے مع بنی الصالح الستین روا
کی ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب کی شان میں اس وقت نازل ہوئی کہ جب طلحہ بن شیبہ
و عباس نے فخر کیا ہے تو طلحہ نے کہا تھا کہ میں خانہ کعبہ کے ساتھ ادنیٰ ہوں اس لئے کہ میرے
پاس خانہ کعبہ کی کنجی ہے عباس نے کہا کہ میں سقایت حجاج کرتا ہوں اس وقت امیر المومنین
علیہ السلام نے کہا کہ میں تمام آدمیوں سے ادنیٰ ہوں ایمان میں اور بڑا جہاد کرنے والا
ہوں پس خداوند عالم نے بیان اخلاص امیر المومنین کے لئے اس آیت کو نازل فرمایا۔

قول ابن روبہکان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت جمہور اہل سنت کے مطابق صحیح ہے اور ہمارے علماء
نے اس کو فضائل امیر المومنین علیہ السلام میں بھی شمار کیا ہے اور فضائل ادن جناب کے

بیشمار ہیں اون کا احصاء نہیں ہو سکتا اور کثرت فضائل امیر المومنینؑ محل خلاف نہیں ہے
 کہ اس پر دلائل قائم کئے جائیں بلکہ کلام تو نص امامت کے بارے میں ہے پس یہ آیت بھی
 نص امامت امیر المومنینؑ پر دلیل نہیں ہے۔

جَوَابِ جَنَابِ شَهِيدِ ثَالِثِ عَلَیْهِ السَّلَامُ

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت مع روایت مذکورہ کے افضلیت امیر المومنینؑ علیہ السلام
 پر دلائل کرتی ہے اور یہی امر محل خلاف ہے جیسا کہ اس سے قبل گذرا اور وجہ دلائل
 یہ ہے کہ یہ دونوں عباس و طلحہ اپنی اپنی اولویت خانہ کعبہ کا دعویٰ بہ نسبت اپنے غیر
 کے کرتے تھے پس امیر المومنینؑ نے ان دونوں کے دعویٰ کو رد فرما دیا اس طرح پر
 کہ خانہ کعبہ کے ساتھ اولیٰ میں ہوں اور میرے سوا کوئی دوسرا اولیٰ نہیں ہے اور بنا
 اس روایت کے خداوند عالم نے بھی تصدیق فرمائی پس وہ جناب اولیٰ ہوئے خانہ
 کعبہ کے ساتھ خصوصاً اولیٰ بہ بیت معنوی اور امیر المومنینؑ افضل قرار پائے کل آدمیوں کے
 پس وہی جناب اولیٰ بالاماتہ ہوں گے اور خانہ کعبہ کے تمام امور سے واقف ہوں گے
 کیونکہ مشہور ہے صاحب البیت ابصر بجان فی البیت۔

کَلَامُ جَنَابِ عَلَامِہِ حَلِی عَلَیْہِ السَّلَامُ

پند رہیں آیت آیہ مناجات ہے اور مناجات رسول خدا سے سوائے امیر المومنین
 علیہ السلام کے اور کسی نے نہیں کی ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ علیؑ علیہ السلام کے لئے تین خصلتیں
 ایسی ہیں اگر ان میں سے ایک بھی میرے لئے حاصل ہوتی تو وہ میرے نزدیک سرخ
 ناقوں سے بہتر ہوتی ایک یہ کہ علیؑ کی تزویج فاطمہ زہراؑ کے ساتھ ہوئی دوسرے جناب
 رسول خدا صلعم نے بروز خیر آنحضرتؐ کو علم مرحمت فرمایا تیسری خصلت یہ ہے کہ علیؑ علیہ السلام

پند رہیں خلیل

آیت بخوی کے ساتھ مخصوص ہوئے۔

قول بن روزبهان

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث روایت اہلسنت سے ہے اور آیت بخوی پر سوائے
اون جناب کے اور کسی نے عمل نہیں کیا اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں ہے کہ یہ
فضیلت امیر المومنین کی منجملہ اون فضائل کے ہے کہ زبانیں ان کے احاطہ سے قاصر
ہیں لیکن یہ آیت بخوی اون حضرت کی امامت پر نفی نہیں ہے۔

جواب شہید ثالث علیہ الرحمہ

جناب مصنف علیہ الرحمہ نے اس آیت سے امیر المومنین علیہ السلام کی افضلیت پر
استدلال کیا ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرت تہامی اصحاب میں مضمون آیت کے
عمل کرنے میں سابق تھے اور بعد اس کے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس آیت کے مطابق
عمل فرمایا دیگر اصحاب سے یہ حکم منسوخ ہو گیا پس اس آیت کا نزول بیان ہے افضلیت
امیر المومنین علیہ السلام کا اور اون جناب کی سبقت طرف قبول اور امر الہیہ کے اور عمل اون
پس وہ جناب سے افضل ہونگے اور اس فضیلت کی تمنا بن عمر نے کی تھی اور کبھی اس
آیت سے استدلال کیا جاتا ہے غلط ہے چنانچہ اس امر کے جس کی ہایت اہلسنت یہ دعوے
کرتے ہیں کہ ابو بکر صاحب مال تھے اور وہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے تھے
اور یہ دعویٰ اس وجہ سے غلط ہے کہ جب ابو بکر نے قبل مناجات رسول خدا صلعم
ایک یا دو درہم کے صدقہ دینے میں کھل کیا اور آنحضرت سے مفارقت اختیار کی اور
اون جناب کی زیارت اور بخا طلب سے دس شبوں تک محروم رہے جیسا کہ اسکو بن تفضی
نے جو اہلسنت سے ہے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور زحشری نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے

اور یہ بخل ایسا تھا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس پر عتاب فرمایا یہ محال ہے کہ ایسا شخص اس مقدار مال کو راہ خدا میں صرف کرے جس کو وہ روایت کرتے ہیں صحابہ کہ یہ ظاہر ہے اور تحقیق کہ قاضی عبد الجبار نے اس مقام پر مکارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت بخوبی افضلیت امیر المومنین علیہ السلام پر نہیں دلالت کرتی ہے علاوہ اکا بر صحابہ کے کیونکہ وقت شاید اس غرض پر عمل کرنے کے لئے وسیع نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ فرما اس قول کا ظاہر ہے کیونکہ اصولیین نے علاوہ ان کے جو تکلیف بالایطاق کے قائل ہیں اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ خداوند عالم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے بندوں کو کسی فعل کی تکلیف دے ایسے زمانہ میں جبکہ وہ اس فعل کو اس زمانہ میں نہ بجالا سکیں نیز قاضی کا یہ حتمال اس روایت کی دلالت سے دفع ہوتا ہے جسکو ابن مغازی نے کتاب المناقب میں نقل کیا ہے اور بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے جس پر نہ مجھ سے قبل کسی نے عمل کیا ہے اور نہ میرے بعد ان پر کوئی عمل کرے گا اور وہ یہ ہے کہ میں سے پاس ایک دینا رہتا اس سے میں نے دس درہم خرید کئے پس جب میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ سے مناجات کرتا تھا تو قبل مناجات ایک درہم تصدق کر دیتا تھا پس یہ روایت وسعت وقت کیلئے تصریحاً دلالت کرتی ہے اور اسی طرح قاضی کے حتمال کو دفع کرتی ہے وہ روایت جسکو حافظ ابونعیم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے رسول صلعم سے بغیر صدقہ دیئے ہوئے کلام کرنے کو حرام فرمایا ہے اور تمام اصحاب نے قبل کلام رسول صدقہ دینے سے بخل کیا اور امیر المومنین علیہ السلام نے قبل کلام رسول صدقہ دیا اور اس امر پر بخیر امیر المومنین علیہ السلام کے اور کسی مسلمان نے عمل نہیں کیا اور نیز یہ دلیل ہے اس بات پر کہ دیگر اصحاب ترک مناجات و صدقہ دینے پر معذور تھے کیونکہ خدا فرماتا ہے فان لم تفعلوا و تاب اللہ علیکم پس ذکر تو یہ دلالت کرتا ہے توجہ عتاب پر

ان کی طرف بسبب اہمال و سستی امتثال حکم کے اور اگر وقت مضیق ہوتا جیسا کہ اس کو
 قاضی نے ذکر کیا ہے تو یہ عتاب متوجہ نہ ہوتا اور ایک دلیل عدم معذورت کی یہ ہے
 کہ ابن عمر نے اس فضیلت امیر المومنین کے حصول کی تمنا کی جیسا کہ اس کا بیان گذرا
 اور تحقیق کہ فخر الدین رازی نے طنز میں ایک نغمہ زبور کو اور زیادہ کیا ہے اور کہا ہے
 کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ وقت اس عمل کے لئے وسیع تھا مگر اس عمل پر اقدام کرنا اس چیز سے
 تھا کہ جو فقیر کے قلب کو تنگ کرتا تھا جسکے پاس کوئی شے موجود نہ ہو اور مرد غنی کے دل کو
 متفرک کرتا تھا پس ایسے عمل کے ترک میں کوئی محذور نہ ہو گا کیونکہ جو اس سبب الفت ہو وہ بہتر
 ہے اس امر سے جو سبب وحشت ہو اور نیز ایک وجہ یہ ہے کہ صدقہ مناجات کے وقت
 واجب ہے لیکن مناجات نہ تو واجب ہے نہ مستحب بلکہ مناجات کا ترک کر دینا اولیٰ
 ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ اگر مناجات سبب ازیت نبی تھی تو اس کا ترک کر دینا اولیٰ تھا ختم ہوا
 کلام فخر الدین رازی کا اور اس کا جواب فی فضل نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس طرح دیا ہے کہ یہ کلام تعصب سے
 خالی نہیں اور ہمارے لئے کہاں سے یہ امر لازم ہو گا کہ ہم مفضولیت امیر المومنین کی برصفت
 میں ثابت کریں اور کیونکر یہ جائز ہو گا کہ آنحضرت کیلئے وہ فضیلت حاصل ہو جو اکابر صحابہ میں سے
 کسی کیلئے حاصل نہ ہوئی ہو پس یہ تحقیق کہ ابن عمر سے ردایت کہ وہ کہتے ہیں کہ عائشہ کیلئے ایسی تین فضیلتیں
 ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھ کو حاصل ہوتی تو وہ میرے نزدیک ناقہ ہائے سرخ
 سے بہتر تھی ایک حضرت فاطمہ سے نزدیکی ہونا دوسرے بزرگتر حضرت کا ان جناب کو
 علم عطا فرمانا تیسری آیت بخوبی کا ان کے لئے مخصوص ہونا اور آیا کوئی منصف اس بات
 کا قائل ہو گا کہ مناجات نبی کوئی بری بات ہے یا وسیفیکہ آیت میں کوئی تہی مناجات
 سے دار نہ نہیں ہوئی ہے ہاں البتہ تقدیم صدقہ کی مناجات میں وارد ہوئی ہے پس جو
 شخص آیت کے مطابق عمل کرے گا اس کو دو طرح سے فضیلت حاصل ہوگی ایک یہ کہ
 صدقہ دینے میں بعض فقرہ کی حاجت روانی ہے دوسرے یہ کہ مناجات رسول صلعم سے

محبت ثابت ہوگی پس ایسے صدقہ دینے میں قربت خداوند عالم ہے اور حل مسائل مشکل
ہے (یعنی جو شخص آنحضرتؐ سے مناجات پر فائز ہوگا وہ مسائل مشکل کو آنحضرتؐ سے
حل کرے گا) اور اظہار اس امر کا ہے کہ مناجاتی مال سے زیادہ آنحضرتؐ کی مناجات کو
دوست رکھتا ہے ختم ہوا کلام فاضل نیشاپوری کا جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ
فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ فخر الدین رازی پر ایک اور اعتراض متوجہ ہوتا ہے کہ جو ایر
فاضل نیشاپوری سے کہیں بالاتر ہے اور وہ یہ ہے کہ سبب تشریح صدقہ کا بوقت مناجات
حاجت روائی فقر اور اون کے ساتھ نرمی کرنا ہے اور باوصف اس کے وہ لوگ شرف
و عرفاً معذور ہیں اور یقیناً حکم آیت سے خارج ہیں پس ان کے دلوں کو شکستہ کرنا
کسی طرح لازم نہیں ہے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے علاوہ اس کے جو کچھ ایراد کیا ہے فخر رازی
نے (یعنی یہ کہ فقر کا تصدق نہ کر سکن ان کی دل بستگی کا باعث ہوگا) وہ جاری ہے
تشریع حج و زکوٰۃ اور مثل ان کے ان عبادات سے کہ جن کا وجوب یا نذہب مال پر
موقوف ہے پس ایسی صورت میں جائز ہے کہ بسبب قیاس تقریر رازی کہا جائے کہ
اولیٰ مدد شریعت زکوٰۃ ہے کیونکہ وہ بھی اس چیز سے ہے کہ تنگ کرتا ہے قلب فقیر کو جس
پاس بقدر نصاب مال موجود نہ ہو اور مرد غنی اداۓ زکوٰۃ سے متغیر ہوتا ہے اور ایسا
عقیدہ رکھنا کفر ہوگا یا کم از کم حد کفر میں ہوگا خدا کے ساتھ اور نیز ایک یہ امر ہے کہ
خداوند عالم نے لفظ صدقہ کو مطلق ارشاد فرمایا ہے اور اس کے لئے کوئی مقدار معین
نہیں فرمائی تاکہ کہا جائے کہ ابو بکر یا غیر ان کے فقر سے اکثر عاجز رہے بلکہ صدقہ کا حکم
غنی و فقیر دونوں پر وارد ہے اگر بقدر ایک ثمر (خرما) یا بقدر اس کے ایک جزو
کے ہو اور اسی طرح منع کرنا مناجات رسول خدا کو مستحب ہونے سے حد کفر میں
اور تعرض کیا ہے فاضل نیشاپوری نے اس امر کے ساتھ اشارہ سے پس اس کو
تم بھو۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

سولہویں دلیل امامت یہ ہے کہ ابن عبد البر و بعض دیگر راویوں نے اہلسنت کے آیہ واسئل من امرسلنا قبلک من امرسلنا کے متعلق روایت کی ہے شرب معراج آنحضرت صلعم کو اور تمام انبیاء کو خداوند عالم نے ایک جگہ جمع فرمایا پھر حضرت سے ارشاد کیا کہ اے رسول ہمارے ان انبیاء سے ایک سوال کیجئے کہ تم رب کس چیز پر مبعوث ہو ہو سب انبیاء نے جواب دیا کہ ہم مبعوث ہوئے ہیں اس بات پر کہ گواہی دیں کہ سولے خدا کے اور کوئی معبود قابل پرستش نہیں ہے اور آپ کی نبوت اور علی بن ابی طالب کی ولایت کا اقرار کریں۔

قول ابن رونیہکان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اہلسنت کی نہیں ہے اور ظاہر آیت اس تفسیر سے ابکار کرتی ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح پر ہے کہ واسئل من امرسلنا قبلک من امرسلنا اجعلنا من دون الرحمن الہة یعبدون اور مراد اس آیت سے یہ ہے کہ جماع انبیاء کا وجوب توحید اور نفی شرک پر واقع ہوا ہے اور یہی مفہوم آیہ ہے اور یہ روایت (یعنی جو علامہ نے ذکر کی ہے) جو ابھی مذکور ہوئی بخلہ مناکیر کے ہے اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے نص امامت جس کا دعویٰ کیا گیا ہے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جگو معلوم ہے کہ ولایت کا اطلاق معانی کثیرہ پر ہوتا ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ روایت ادنی تفسیر الفاظ سے تفسیر نیا پوری میں ثعلبی سے منقول

ہے جیسا کہ ادس نے کہا ہے کہ ابن مسعود نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ایک ملک میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا آپ ان انبیاء سے جو آپ کے قبل مبعوث ہوئے ہیں سوال کیجئے کہ کس امر پر وہ مبعوث ہوئے ہیں پس میں نے ان سے یہ سوال کیا کہ تم لوگ کس بات پر مبعوث ہوئے ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ کی اور علی بن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر مبعوث ہوئے ہیں روایت کیا ہے اسکو ثعلبی نے لیکن یہ روایت قول باری تعالیٰ اجعلنا من دون الرحمن اللہ تعالیٰ کے مطابق نہیں ختم ہوا قول نیشاپوری کا اور جو کچھ ہم نقل کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت منجملہ روایات اہلسنت کے ہے اور جس مناقشہ کو کہ ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے تحقیق کہ اس کو اس نے نیشاپوری سے اخذ کیا ہے اور یہ مناقشہ باوصف اسکے کہ اس میں عیب اپنی طرف منسوب کرنے کا ہے ضعیف ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ لفظ جعل اس آیت میں استفہامیہ یعنی حکم کے ہو جیسا کہ نیشاپوری نے آخر میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ پورا جملہ اجعلنا من دون الرحمن اللہ تعالیٰ عیدوں حکایت قول رسول ہوا اور تاکید ہو اس قول کی جو اس کلام میں مضمر ہے یعنی اقرار بعثت انبیاء شہادت مذکورہ پر اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس میں کوئی شخص توقف کرے مگر وہ کہ جو سوائے خدا کے اور خداؤں کو قابل پرستش قرار دے اور مثال اس اصنام کی قرآن مجید میں واقع ہوئی ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے انا انبئکم فارسلون یوسف ابنا الصدیق افتناہیں مراد اس آیت میں جیسا کہ نیشاپوری نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ اس سلوی الیہ کاسئلہ یعنی عزیز مصر سے کہنے والے نے یہ کہا کہ مجھے یوسفؑ کے پاس بھیجئے تاکہ میں ان سے سوال کروں اور مجھے حکم دیکئے کہ میں ان سے تعبیر خواب دریافت کروں پس انھوں نے اس شخص کو قید خانہ میں جتا یوسفؑ کے پاس بھیجا اور وہ آیا اور اس نے یوسفؑ سے کہا آخر آیت تک فایہ ہے کہ یہ آیت جس میں بحث ہو رہی ہے بسبب حقائق قرینہ کے تعین محذوف پران

کی ہے اور ابو نعیم نے کتاب حلیۃ الاولیاء میں امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے اور ابو القاسم بن حبیب نے اپنی تفسیر میں زرب جیش سے اور انھوں نے علیؑ علیہ السلام سے روایت کی ہے اور الفاظ ابو القاسم کے یہ ہیں فرمایا امیر المومنینؑ نے کہ جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اپنے سینہ سے لگایا اور ارشاد فرمایا کہ اسے علیؑ مجھ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو اپنے سے قریب رکھوں اور تجھ کو علیؑ نہ کروں اور یہ کہ تم میرے قول کو سماعت کرو اور اس کو یاد رکھو اور تفسیر ثعلبی میں یہ روایت بریدہ نقل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو تعلیم دوں اور تم امو یاد رکھو اور خدا پر فرض ہے کہ تم سنو اور یاد رکھو پس یہ آیت نازل ہوئی وتعیہا اذن داعیۃ اور بعض مفسرین نے اسی حدیث کو روایت کیا ہے جس کو ابن روزنہ نے نقل کیا ہے پس اس نے ساری المفسرون کا جو مطلق لفظ کہہ دیا ہے اس سے جو کچھ اس کے نقصب کا حال ظاہر ہوتا ہے وہ واضح ہے اور کہا ہے صاحب کشف و فخر الدین رازی نے بعد ذکر کرنے اس روایت کے جس کو ابن روز بہان نے شان امیر المومنینؑ علیہ السلام میں نقل کیا ہے پس اگر یہ کہا جائے کہ اذن داعیۃ کیوں کہا یعنی دعا کا صیغہ اور بھی بطور نکرہ کیوں استعمال کیا تو ہم نہیں گے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ آگاہ ہوں کہ اس صفت سے متصف کم ہوا کرتے ہیں تاکہ ان کو سرزنش ہو کہ ہم میں محفوظ رکھنے والے کم ہیں اور اس امر پر دلالت ہو کہ ایک کان بھی اگر محفوظ رکھے اور نہ کھے خدا کی طرف سے تو وہ خداوند عالم کے نزدیک سواد اعظم ہے باوجودیکہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے علاوہ کسی طرف توجہ نہ کی جائیگی اگرچہ ان سے تمام عالم مملو ہو صاحب کشف کا قول ختم ہوا پھر میں یہ کہتا ہوں کہ آیت نے دلالت کی (اون اسرار کے ساتھ کہ جن کا کشف علامہ معتزلہ اور امام اشاعرہ نے کیا) اس امر پر کہ زمان رسالتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علیؑ کو اس صفت کے ساتھ اختصاص حاصل تھا اس لئے کہ صاحب کشف و رازی نے

تصریح کی ہے کہ رسالتِ نبیؐ کی دعا علیؑ کے حق میں مستجاب ہوئی اور ان کے اغیار کو سرزنش کی گئی اور بتلایا گیا کہ ان کی طرف کوئی توجہ و التفات نہیں ہے لہذا حضرت ہی امانت کے لئے احق ہوئے جیسا کہ ہمارا مدعا ہے۔ یہاں پر ایک تمہید کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ اس کا حوالہ دیا جاسکے وہ یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث میں مائل کرے گا اس کو معلوم ہو جائیگا کہ سوا علم کے اور کسی سبب سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ رسالتِ نبیؐ فرماتے ہیں کہ عالم کو عابد کو یہی فضیلت حاصل ہے جو نیکوتم میں سے ادنیٰ شخص پر حاصل ہے اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کے بندوں میں اس سے صرف علما ہی ڈرتے ہیں پس خداوند عالم نے خوف و تقویٰ کا حصر علما ہی پر فرما دیا ہے باوجودیکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ با عزت خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ سے اعلم تھے اس لئے کہ ہر صحابی کا امیر المؤمنین سے استفسار کرنا مشہور ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لوگ ادن امور سے جاہل تھے۔ جن کا استفسار کیا کرتے تھے چنانچہ عمرؓ یہ قول کہ لولا علیؑ لہلک عمرؓ کی حد تک پہنچ گیا اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ علیؑ علیہ السلام اعلم تھے۔ اب بایہ امر کہ جو اعلم ہو وہ افضل بھی ہے تو یہ ثابت نص سے ہو گیا جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اور جب یہ صغریٰ و کبریٰ شکل اول کی بنا پر ثابت ہو گئے تو نتیجہ بدیہی ہے جس سے انکار سوائے مکابرہ و معاذہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ جس کی طرف توجہ نہ ہوگی۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

اٹھارویں آیت سورہ اہل اتی ہے چنانچہ جمہور کافہ نے روایت کی ہے کہ حسین علیہ السلام مرض میں مبتلا ہوئے جناب رسالتِ نبیؐ اور تمام عرب نے ان کی عیادت کی امیر المؤمنینؑ نے نذر کی کہ اگر دونوں بچے اچھے ہو جائیں تو تین روز برابر روزے رکھیں گے اسی

نذر جناب معصومہ نے اول انکی خادمہ فتنہ نے بھی کی چنانچہ جب شاہزادوں کو صحت ہوئی تو اہلبیت کے پاس تھوڑا بہت کچھ بھی نہ تھا امیر المومنینؑ نے تین صلے جو قرض حاصل کئے اور جناب معصومہ نے ایک صاع جو پسینے کے خمیر کئے اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں تاکہ ہر شخص ایک روٹی کھائے جب امیر المومنینؑ نماز مغرب سے فارغ ہو کر عصمت سرا میں تشریف لائے تو وہ روٹیاں سامنے رکھی گئیں تاکہ سب حضرات افطار صوم فرمائیں کہ ایک مسکین نے آکر سوال کیا سب حضرات نے اپنی اپنی روٹیاں اوس کو دیدیں اور خود گرسہ رہے دس روز بھر سب روزہ رکھا اور اسی طرح معصومہ نے ایک صاع جو کی روٹیاں تیار کیں اور جب فطار کرنا چاہا تو ایک یتیم نے آکر سوال کیا پھر سب نے اپنی اپنی روٹیاں اس کو محنت کر دیں تیسرے روز پھر اسی طرح ایک امیر نے آکر سوال کیا اور سب نے اس کو دیدیا اور تین روز برابر سوائے پانی سے افطار کرنے کے کوئی غذا استعمال نہیں فرما سکے جناب رسالتؐ نے جب چوتھے روز اپنے اہلبیت کو ملا خطہ فرمایا تو یہ حالت تھی کہ گرنگی کی وجہ سے سب کانپتے تھے اور جناب معصومہ کا شکم پشت سے مل گیا تھا اور آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے درگاہ صمدیت میں عرض کیا کہ بارگاہِ میرے اہلبیت شدت گرنگی سے تلف ہوئے جاتے ہیں پس جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ لیجئے خداوند عالم آپ کو بہنیت دیتا ہے آپ کے اہلبیت کے بارے میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا لوں تو جبریل نے سورہ ہل اتی کی تلاوت کی۔

قول بن روزبہکان

میں کہتا ہوں کہ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول یہی ذکر کی جو کہ ملامہ نے بیان کی لیکن بہت سے محدثین اہل تفسیر نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ آیا صدقہ دینے میں

اس حد کا مبالغہ کہ جس کی وجہ سے خود اس کے اہل و عیال بیب گرنی قریب بمرگ ہو جائیں جائز بھی ہے یا نہیں درحالا نہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کیا صدقہ دینا چاہیے تو کہہ دو کہ جو نفقہ عیال سے پہنچ رہے وہ دینا چاہیے اور جناب رسالتاً بے ارشاد فرماتے ہیں کہ بہترین صدقہ وہ چیز ہے کہ جو صاف ہو اور فاضل ہو۔ اور اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو امامت پر نفی نہیں ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہوا۔

حکایت جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ہمارے صحابہ میں سے واحدی نے کتاب البیسط میں ذکر کیا ہے کہ یہ سورہ علی کی شان میں نازل ہوا ہے اور معتزلہ میں سے صاحب کشاف نے اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حسنین رضی اللہ عنہما ہوئے اور پورا قصہ ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے مفسرین میں سے اس امر کا ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ امیر المومنین کی شان میں نازل ہوا ہے ادھوں نے آیت کو اپنی عموم پر مبنی رکھا ہے اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں یا تو ان کو یہ معلوم ہی نہیں ہوا اور یا بسبب صلوٰۃ اہلبیت قصداً اس کو مخفی کیا۔ اب رہا کلام ناصبی کا کہ بہت سے محدثین مفسرین نے اس روایت سے انکار کیا ہے اور اس امر میں کلام کیا ہے کہ آیا اس حد تک صدقہ میں مبالغہ جائز بھی ہے یا نہیں تو ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ناصبی کے تشکیکات ہیں کسی اور محدث یا مفسر نے ایسا شک نہیں کیا ہے ورنہ اگر کچھ بھی اسکی اصلیت ہوتی تو فخر الدین رازی جو اپنی تفسیر میں ہر جگہ شک کیا کرتا ہے ضرور ذکر کرتا۔ تعجب خیر و حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اس ناصبی کے علما جن میں فخر الدین رازی اور زینا پوری ہیں اپنی تفسیروں میں ذکر کرتے ہیں کہ آیہ کو نوا مع الصادقین ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے جنہوں نے

اپنی نفسوں کو مسجد کے ستونوں میں باندھ دیا تھا اور وہ علماء اس کو تسلیم کرتے ہیں اس میں
 نہ ان کو کچھ تامل ہے نہ کلام کہ آیا ریاضت نفس اس حد تک جائز ہے یا نہیں بلکہ اپنے
 مشائخ اور نقشبندی صوفیوں وغیرہ کی بھوک کا ذکر کرتے ہیں جس کو اس سے بھی زیادہ
 کہا جاتا ہے باوجود اس کے کہ یہ محض اپنے نفس پر ضرر برداشت کرنا ہے بغیر اس کے
 کہ کسی کو فائدہ پہونچے اور اہلبیت کی تحرشگی و ایثار پر جو کہ مسکین و یتیم و اسیر کے لئے
 ہوتا ہے اپنی منہائے نافہمی سے انکار کرتے ہیں باوجودیکہ یہ روایت پایہ ثبوت کو
 پہونچ چکی ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ سائل جبریلؑ تھے جنھوں نے خداوند عالم
 کی طرف سے بغرض امتحان اہلبیت تین خوابوں میں مختلف ہیئتوں میں ارشاد کیا اور فی
 شاعر نے کیا اچھا کہا ان لوگوں کے بارے میں کہ جو اس فضیلت کے منکر ہیں وہ کہتا ہے ۵

قومانی فی مدحہم ہل اتی ماشاک فی ذلک الا ملحد
 قوم لہم فی کل ارض مشہد کابل لہم فی کل قلب مشہد
 یعنی اہلبیت طہارت ایسے جلیل القدر ہیں کہ جن کی مع میں سورہ ہل اتی انازل ہوا کہ

۱۵ مترجم کہتا ہے کہ جبریلؑ کا تینوں خوابوں میں بصورت سائل آما شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر فتح العزیز
 میں بھی لکھا ہے چنانچہ تفسیر مذکور میں مرقوم ہے۔ گویند کہ دریں ہر سہ شب جبریلؑ بصورت گنا و یتیم
 و اسیر شدہ برائے امتحان عبرت بیت تشریف آوردہ بودند و ان میں مقام گفتہ اند کہ حضرت
 امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ لک دنیا را بسنان خود گرفتہ اند و ملک عقبی را بستہ ان خود خریدہ
 لیکن حافظ کنجی نے کفایۃ الطالب میں علامہ ابن الصلاح سے نقل کیا ہے ان السوال کا نوا
 ملکہ من عند رب العالمین و کان ذلک امتحاناً من اللہ عز و جل
 اور حافظ مذکور نے شیخ الحرم بشیر تبریزی سے نقل کیا ہے ان السائل الاول کان جبریل
 والثانی میکائیل والثالث امترافیل بہر حال ملکہ کا سائل ہونا مسلم ہے ۱۶

۱۷ مترجم کہتا ہے کہ حصکفی کا پورا قصیدہ جس میں یہ دونوں شعر بھی ہیں سبط ابن الجوزی نے
 تذکرہ خواص اللہ میں ذکر کیا ہے اور حصکفی کا کچھ حال بھی لکھا ہے اور حصکفی کا ترجمہ اب سمدانی نے
 تاریخ ابن خلکان میں بھی مذکور ہے ۱۸

جس میں سوا الحمد کے اور کوئی شک نہیں کر سکتا اہلیت ایسے ہیں کہ جن کے ہر حصہ زمین پر مشہد ہی نہیں بلکہ ہر قلب میں ہے اور ناصبی کا یہ توہم کہ یہ روایت اس قول خداوند عالم سے معارض ہے کہ جس میں صدقہ کا ذکر ہے تو وہ اس طرح دفع ہوتا ہے کہ جس طرح لفظ عفو کی تفسیر ناصبی نے بیان کی ہے اسی طرح اس لفظ کی تفسیر افضل مال سے بھی کی گئی ہے یعنی عفو کے معنی بہترین مال کے بھی تفسیر میں ذکر کئے گئے ہیں اور اسکی تائید میں خداوند عالم کا یہ قول ہے لن تالموا البراکیۃ اور ناصبی نے جو حدیث جناب رسالت کی پیش کی ہے یعنی خیر الصدقة ما یکون صفوا عفو اس کی معارض دوسری حدیث موجود ہے جو ہمارے جواب کی موید ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ خیر الصدقة ما اقلت غنی یعنی بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کی وجہ سے سائل کو استغنائے باقی حاصل ہو جائے۔ اور اگر بالفرض ہم اس توہم کو مان بھی لیں تو یہ کہیں گے کہ یہ اعتراض تو اس وقت ہو سکتا تھا کہ جب عیال امیر المومنین متفق نہ ہوتے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ اتفاق میں اور وہ اہل بیت کا کھانا لیکر سائل کو دیدیتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اہلیت نے خود ہی عطا فرمایا امیر المومنین تو اپنے عیال پر اتفاق کر چکے تھے اب انھوں نے خود ہی اختیار اپنے نفوس مقدسہ پر یتیم و اسیر و مسکین کو مقدم فرمایا اور اپنی اپنی غذا عطا فرمادی تو کوئی جائے اعتراض نہیں ہے۔

کَلَامُ جَنَابِ عَلَامِ حَلِّی عَلَیْہِ الرِّحْمَہُ

اونیسویں آیت والذی جاء بالصّدق وصدق بہ
ہے جمہور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے مصداق
علی ہیں۔

قول بن روزبهکان

میں کہتا ہوں جمہور اہلسنت روایت کرتے ہیں کہ روایت ابو بکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو ان کی شان میں نازل ہوئی تو ان کے فضائل میں ہوگی لیکن نص پر دلالت نہیں کرتی۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

جس روایت کو مصنف نے ذکر کیا ہے اسی کو صاحب کشف الغمہ نے حافظ ابو بکر موسیٰ بن مردویہ سے نقل کیا ہے اور نیز حافظ نے ابو جعفر علیہ السلام سے بھی روایت کی ہے کہ ات الذی جاء بالصدق محمد صلعم والذی صدق بہ علی بن ابی طالب۔ یعنی صدق کے لایمواے رسالت اب صلعم ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے وائے علی ابن ابی طالب ہیں۔ لیکن یہ امر کہ یہ آیت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی جیسا کہ ناصبی نے دعویٰ کیا ہے تو اس کو سوا، فخر الدین رازی کے اور کسی نے بھی ذکر نہیں کیا وہ اس امر میں مستفرد ہیں اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ چونکہ او یا را ابو بکر ان کو صدیق لقب دے چکے تھے آپ نے صدق اور صدیق میں مناسبت لفظی کی وجہ سے یہ تخیل شاعری فرمائی اور یہ تو آپ کا اکثر روایات کی تفسیر میں طریقہ ہے جیسا کہ صاحبان تفسیر پر ظاہر ہے۔ شیخ رازی کی سیمائیوں کے منجملہ یہ بھی ہے کہ اس آیت کی شان ترول کے بیان کرنے میں محض خداوند عالم ہی پرافتران نہیں کیا بلکہ امیر المومنین علیہ السلام کی زبان سے اس کو نقل کیا ہے (کہ یہ آیت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی) اور یہ صرف اس لئے کہ دیکھنے والے جب دیکھیں گے کہ خود امیر المومنین ایسا فرماتے ہیں تو پھر اس آیت کا حضرت کی شان میں نازل ہونا جو بزرگ کرے گئے۔ اس کے بعد چونکہ اس خائن پر خوف غالب تھا لہذا منجملہ

ہمارے علماء کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ امیر المومنینؑ نے جس وقت رسالتاً صلعم پر ایمان ظاہر فرمایا تو اس وقت حضرت کی عمر پندرہ اور ایک روایت میں چودہ برس کی تھی اور یہ دونوں روایتیں اہلسنن کے طریق سے بھی ہم تک پہنچی ہیں چنانچہ شارح طوابع نے اپنی شرح میں اپنے اصحاب سے اسکو ذکر کیا ہے اور حاقولی نے مصلح میں کہا ہے کہ حسن بصری نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ کی عمر جب کہ وہ اسلام لائے پندرہ برس کی تھی لیکن شارح طوابع نے چودہ برس کی روایت کی ہے اور اس عمر میں حضرت بنا بر روایت بخاری کے حد بلوغ سے تجاوز کر گئے تھے اس لئے کہ اس نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہا اس نے کہ میں بارہویں برس بالغ ہو گیا تھا۔ نیز علماء نے روایت کی ہے کہ رسالتاً صلعم نے حضرت کو اسلام کی دعوت دی درحالیکہ آنحضرتؐ کسی ایسے شخص کو دعوت اسلام نہیں دیتے تھے کہ جس کا اسلام لانا صحیح نہ ہو جیسا کہ ماموں نے ابوالغناہیہ سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ نیز روایت صحیحہ میں ہے کہ امیر المومنینؑ علیہ السلام نے معاویہ کو چند اشعار پکڑ کر فرمائے تھے بھلا ان کے یہ شعر لکھا تھا

سبقتکم الی الاسلام طرّاً غلاماً ما بلغت اوان حلی

یعنی میں نے تم لوگوں پر اس وقت اسلام میں سبقت کی جبکہ میں حد بلوغ کو بھی نہ پہنچا تھا اس شعر پر معاویہ نے ہا وجود اس بغض و عداوت کے جو اس کو حضرت سے تھی کوئی اعتراض نہیں کیا تو رازی کہ جو معاویہ کی جماعت ہے ہے اس پر کیسے زیادتی حاصل کر سکتا ہے۔ نیز مرجع اسلام تو یہ ہے کہ جو کچھ نبی لائیں اس کی تصدیق کی جائے اور اسکی کہ وہ رسول خدا ہیں اور یہ امر تکالیف شرعیہ میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عقلیات کی تکلیف کمال عقل پر موقوف ہے جا ہے شخص پانچ برس کا ہو یا پچاس برس کا ہو اور حضرت کی عقل وقت اسلام کامل ہو چکی تھی اور بلوغ تو وہ تکالیف شرعیہ فرعیہ میں شوط پر ملا وہ اسکے یہ بھی ممتنع نہیں ہے کہ حضرت کے خصائص میں سے یہ امر ہو کہ آپ کا صغر سن

۱۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا مخموس تھا اس کثیر ہونا کتاب اخصائص میں مذکور ہے

نظری اور عمدۃ العالیٰ معنی سے ظاہر ہے۔ ۱۰ مترم

میں اسلام لانا صحیح ہو یا الجملہ یہ امر جائز ہے کہ آنحضرت کو مزید فضل کی وجہ سے جہان کو خلقت میں حاصل تھا یہ اختصاص بھی حاصل ہو کہ حضرت کو بلوغ شرعی قبل ختم عدو سال حاصل ہو گیا ہو اور یہ حضرت کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ مظہر انجاء و منبع الغرائب ہیں۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

میں آیت قول ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کا ہوا الذی ایدک بنصرہ و بالموئین ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی و رسولی ایتہ بعلى بن ابی طالب انتہی۔

قول بن روزبہگان

یہ امر روایات اہلسنت میں آیا ہے اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علی افاضل مومنین اور ان کے ائمہ و خلفاء میں سے ہیں اور جبکہ رسالت مآب مومنین سے مؤید ہیں تو علیؑ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ مؤید ہونگے لیکن نص امامت پر دلالت نہیں کرتا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس عبارت میں ناصبی نے جو کچھ فریب کاری کی ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے اس لئے کہ مصنف رح صرف تائید کو ذکر نہیں کرتے ہیں جس میں کہ سب مومنین شریک ہیں بلکہ حضرت کا نام نامی عرش پر مرقوم ہونا اس طرح کہ جو ظاہر کتاب ہے اس امر کو کہ حضرت باری نے رسالت مآب کی تائید علیؑ سے انزل میں فرمائی اور یہ امر دلالت کرتا ہے اس افضلیت پر کہ جو مصنف کے مدیحات میں سے ہے جیسا کہ کئی مرتبہ ذکر ہوا علاوہ بریں ناصبی کا

یہ اعتراف کہ امیر المومنین جمیع مومنین سے اولیٰ ہیں تا یٰد نبی کے ساتھ کافی ہے ثبوت مدعی میں۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

اکیسویں آیت قول باری تعالیٰ کا یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن تتبعک من المومنین جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول بن روز بہان

ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ محض علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تو ان کے ضائل میں سے ایک یہ بھی ہوگی لیکن نص امامت پر دلالت نہیں کرتی۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ناجی کا یہ قول کہ ظاہر آیت جمیع مومنین پر دلالت کرتی ہے ممنوع ہے بسے کہ اگر حق سبحانہ و تعالیٰ نے جمیع مومنین مراد لئے ہوتے تو من اتباع کی قید نہ لگا تا لیکن اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کا ارادہ کیا گیا ہے۔ لیکن صحت حدیث کے لئے ہی امر کافی ہے کہ وہ طریق اہلسنت سے مروی ہے چنانچہ اس روایت کو صاحب کشف الغمہ نے عزالدین عبدالحق محدث جنبلی کی کتاب سے نقل کیا ہے اب رہی وجہ دلالت تو وہ یوں ہے کہ جب خداوند عالم نے جناب رسالت کی حفاظت کا اپنی بارگاہ اوصیاء امیر المومنین میں حصر کر دیا نیز اتباع

اس عالم اہلسنت کا ترجمہ مذکورہ الحفاظ ذہبی و طحاوی الحفاظ علیہ میں مذکور ہے ۱۰ مترجم

کامل بھی! امیر المومنینؑ میں حصر کر دیا (مقتضی الروایۃ) تو معلوم ہوا کہ علیؑ جمیع مومنین سے افضل ہیں لہذا وہ امیر المومنین ہوئے۔

کَلَامُ جَنَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

بانیوں آیت فسوف یاتی اللہ بقوم یحبهم وحبیبونہ ہے ثقلی نے کہا ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول بن روزبهگان

مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ یہ آیت اہل مین کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو جناب رسالتؐ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں تو حضرت نے اپنا دست مبارک سلمانؑ کی پشت پر مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم مراد ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت ایسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اسلئے کہ سوف یاتی اللہ بہنچ دلالت کرتا ہے کہ مختار خدا ایسی قوم کو لائے گا اور علیؑ ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کو خدا نے اول اسلام سے بھی پہلے خلق فرمایا تھا لہذا ان کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیں تو حضرت کے فضائل میں سے ہوگا لکن نص مدعی پندلالت نہیں کرتا۔

جَوَابُ جَنَابِ شَہِیدِ ثَالِثٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل مین کے بارے میں نازل ہوئی ہے شل فخرالدین رازی و قاضی بیضاوی کے ادبوں نے اس روایت پر استناد کیا ہے جس میں یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسالتؐ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ فرما کر

ارشاد فرمایا کہ قوم سے مراد یہ لوگ ہیں لیکن اس روایت میں بحث ہے اس لئے کہ اگر اہل
 یمن سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو بلاد یمن کی طرف منسوب ہوں اگرچہ وہ اشعر یہ میں سے نہ
 ہوں مثل طائفہ ہمدان وغیرہ کے تو ان لوگوں نے سوار امیر المومنین اور کسی کی ہمراہی
 میں جہاد ہی نہیں کیا جیسا کہ کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے اور اگر صرف اشعر یہ مراد
 ہوں تو ان لوگوں نے ابو بکر کے زمانہ میں اہل ردہ سے جنگ نہیں کی لیکن جس
 یہ روایت کی ہے کہ حضرت ختمی مرتبت نے فرمایا کہ سلمانؓ اور ان کے ساتھی مراد ہیں
 جیسا کہ کثاف و تفسیر بیضاوی میں ہے تو اس میں یہ بات ہے کہ سلمانؓ ابو بکر کے
 عہد میں اہل ردہ کی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے نیز بنا بر تقدیر اس امر کے کہ
 سلمانؓ کے ہمراہیوں سے اہل فرس مراد ہوں یہ ظاہر نہیں ہوا کہ انھوں نے اہل
 ردہ سے ابو بکر کے زمانہ میں کوئی جنگ کی ہو لہذا اس آیت کا امیر المومنینؓ کی
 شان میں نازل ہونا متعین ہو گیا اور ظاہر ہوا کہ یہ آیت شان والا شان امیر المومنینؓ
 میں نازل ہوئی جبکہ حضرت نے ناکثین و قاسطین و مارقین سے جنگ فرمائی اور
 حضرت سلمان علیہ الرحمۃ والرضوان اگرچہ ان تینوں گروہوں کے قتال کے زمانہ
 تک زندہ نہیں رہے اور نہ ان سے جہاد کیا لیکن ان کی قوم نے ضرور شرکت کی
 اور کسی جماعت کے اکثر افراد سے کسی فعل کا صادر ہونا اس کے لئے کافی ہے کہ
 اس فعل کو پوری جماعت کے ساتھ نسبت دی جا سکے خصوصاً جبکہ یہ امر روایت کیا
 گیا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے مدائن میں سکونت اختیار کی اور بنی کندہ میں ترویج بھی کی
 جس سے کئی لڑکے پیدا ہوئے اور وہ سب امیر المومنینؓ کی خدمت میں حضرت کی بعض
 لڑائیوں میں شریک رہے تو گویا جناب رسالتؐ نے اسی امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ اولاً
 کی خوش کرداری باپ کی پاک طینتی کی وجہ سے ہوتی ہے حضرت سلمانؓ ہم کے بیٹوں
 کے افعال کو خود حضرت سلمانؓ کی طرف نسبت دیدی اور سلمانؓ کا صاحبِ ولاد

ہونا کلام ابن عربی سے بھی ثابت ہے چنانچہ وہ فتوحات مکبہ میں کہتے ہیں کہ جب
 جناب رسالت مآب عبد خالص تھے اور خداوند نے ان کو اور ان کے اہلبیت کو طاہر و
 مطہر قرار دیا تھا اور جس کو ان سے دور فرما دیا تھا اور جس پر وہ چیز ہے کہ جو ان
 کے شایان شان نہ ہو اس لئے کہ جس کے معنی عرب کے یہاں قذارت کے ہیں جیسا کہ
 فرار نے بیان کیا ہے اسی لئے تو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء و اولاد
 لہذا ہب عنکم الرجس الایہ ہیں ایسی حالت میں ان حضرات کی طرف کسی غیر مطہر
 کی اصناف نہیں ہو سکتی اور ضرور ایسا ہی ہونا چاہیے پس ان حضرات کی طرف اسی کو
 اصناف ہوگی جو ان کے مشابہ ہو پس وہ حضرات اپنی طرف سے ایسے شخص کے کہ
 جو محکوم بطہارت و تقدیس ہو کسی کو نسبت نہ دینگے اسی لئے تو سلمان فارسی کے
 حق میں طہارت و حفظ آہی اور عصمت پر رسالت مآب کی یہ شہادت ہوئی کہ آنحضرت
 صلعم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ السلامات منا اہل البیت اور خداوند
 عالم ان حضرات کی تطہیر و ذہاب جس پر شہادت دیکھا کہ لہذا سلمان ع کی طہارت نفس
 اور حفظ عن المعاصی مسلم ہوئی اور جبکہ یہ امر مسلم ہو چکا کہ اہلبیت علیہم السلام کی طرف
 سوار مطہر و مقدس مہتی کے اور کوئی اصناف بھی نہیں حاصل کر سکتا اور جس کو اصناف
 ہو گئی اور کو صرف اصناف ہی کی وجہ سے عنایت الہیہ حاصل ہو جائے تو پھر اہلبیت
 کی طرف تمہارا خیال کیا ہوگا بیشک وہ حضرات مطہر ہیں بلکہ عین طہارت ہیں۔ اس کے
 بعد اسی باب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام نفس قرآنی سے
 مطہر ہیں پس سلمان ع بھی انہیں میں سے ہیں بلا شک و شبہہ اور میں ایسا کہتا ہوں
 کہ علی کی (وہ اولاد جو دیگر اذواج سے ہے) اور سلمان کی اولاد کو بھی یہ عنایت
 الہیہ شامل ہو جیسا کہ اولاد حسن و حسین اور غلامان اہلبیت کو شامل ہے خداوند عالم
 کی رحمت بہت وسیع ہے پھر بعض مطالب کے بعد لکھتے ہیں کہ تمہارا کیا گمان ہے ان

معضومین کے بارے میں کہ جو محفوظ ہیں بعض ان میں سے قائم ہیں اپنے سیادت کے حدود پر اور کھڑے ہیں ان کے مراسم پر ان کا شرف بہت بلند اور کامل ہے اور وہی اس مقام کے اقطاب ہیں۔ انھیں قطبوں سے سلمان نے شرف مقام اہلیت حاصل کیا چنانچہ حضرت سلمان رہ سب سے زیادہ اس امر کو جانتے تھے کہ خداوند عالم کے عباد پر کیا کیا حقوق ہیں اور خود اپنے خلافت کے اپنے اوپر کیا کیا حقوق ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ قوی تھے ان حقوق کے آداب پر انھیں کے بارے میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لو کان الايمان بالشر والنا له من جال من فارس یعنی اگر ایمان ستارہ ثریا میں بھی ہوتا تو اس کو اہل ایران میں سے بعض لوگ حاصل کر لیتے یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی طرف اشارہ فرمایا ختم ہوا کلام محی الدین عربی کا۔ اور لطائف سے یہ ہے کہ بنابر روایت گذشتہ ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم قوم ہذا (وہ لوگ اس کی قوم کے ہیں) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ابو موسیٰ کو اس حکم میں داخل نہیں فرمایا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اسکی عاقبت خراب ہوگی اور یہ امیر المومنین سے منحرف ہو جائیگا لیکن ایک جماعت اکابر و اشرف اہل یمن کی اور بہت سے ایسے افراد اہل یمن کہ جس میں کا ایک ایک اس کے ایسے ہلرے کے برابر شمار کیا جاتا ہے امیر المومنین کے شیعوں میں تھے بنحیث ان کے پورا قبیلہ بنی ہمدان کا ہے اور او ایس قرنی ہیں جو امیر المومنین کے سامنے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ اور سلمان م کے بارے میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ (ہذا وذوہ) یہ اور اس کے ساتھی پس قوم سلمان م کو ان کا تابع قرار دیا اس حکم میں اور ان کی قوم کو لفظ (ذوہ) سے تعبیر فرمایا جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص ان صفات سے متصف ہو کہ جن سے حضرت سلمان م متصف ہیں انہیں معرفت ولایت اور ان لوگوں کی متابعت کہ جن کی متابعت خداوند عالم نے

فرض قرار دی ہے وہ اس کے ساتھیوں میں سے ہے اور اس حکم میں داخل ہے
 ورنہ نہیں۔ اور فخر الدین رازی نے بھی اس قول کو ذکر کیا ہے کہ یہ آیت امیر المومنین
 کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن چونکہ وہ جماعت امامیہ پر اپنے تعصب کی وجہ سے
 بہت گہرے برے ہیں لہذا ہم کو بھی یہ مناسب معلوم ہوا کہ ان کا کلام ذکر کریں اور
 ساتھ ہی اسکے جو کچھ ایرادات اس پر وارد ہوتے ہیں ان کو بھی بیان کر دیں تاکہ ناظرین
 مشکوک و اوہام سے محفوظ رہیں چنانچہ رازی کہتا ہے کہ ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ آیت
 علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس پر دو وجہیں دلالت کرتی ہیں اول یہ کہ
 جب جنگ خیبر میں جناب رسالتؐ صلعم نے نشان سرداری فوج حضرت امیر المومنینؑ
 کو مرحمت فرمایا تو ارشاد کیا تھا کہ میں اب ایسے شخص کو نشان دوں گا کہ جو خدا و رسول کو دوست رکھتا
 ہے اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور یہی صفت آیت میں بھی مذکور
 ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے اسی آیت کے بعد آیۃ انما ولیکم اللہ
 ورسولہ لاکایہ ذکر فرمائی ہے جو کہ امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے لہذا
 پہلی آیت کو بھی آنحضرت ہی کی شان میں ہونا اولیٰ ہے بس یہی وہ کل اقوال ہیں
 جو اس آیت میں ہیں اور ہمارے لئے اس میں چند مقام ہیں پہلا مقام یہ ہے
 کہ یہ آیت مذہب امامیہ کے فاسد ہونے پر پہلی دلیل ہے اس لئے کہ ان کا مذہب
 یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت و امامت ابو بکر کا اقرار کیا وہ سب کافر و مرتد ہو گئے
 کیونکہ انھوں نے امیر المومنینؑ کی امامت پر جو نص صلی موجود ہے اس سے انکار
 کیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا تھا تو خداوند عالم کو چاہیے تھا کہ وہ ایسی قوم کو ان پر
 مسلط فرماتا جو ان کو لے بھر کر دین حق کی طرف واپس کرتے کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ
 ارشاد فرما چکا ہے کہ ومن یرتد عن دینہ فحوف باقی اللہ بقوم عجبہ کلا یہ
 اس آیت میں لفظ من شہ عاموم کے لئے ہے جس کا تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی بھی

دین اسلام سے مرتد ہو اس پر ایک ایسی قوم کو مسلط کرے جس پر غلبہ حاصل کرے
 اس کی شوکت کو توڑ دے پس اگر جن لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ قرار دیا تھا ایسے تھے
 جو حسب حکم آیت مذکورہ لازم تھا کہ خدا کسی قوم کو ان پر مسلط فرمائے کہ وہ ان کے مذہب
 کو باطل کر دیتی۔ اور جبکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے خلاف ہے کہ راضی ہی مغلوب ہیں
 اور روکے گئے ہیں اس امر سے کہ اپنے باطل کلاموں کو ظاہر کریں بھی تو معلوم ہو کہ انکا
 مذہب اور اقوال سب باطل ہیں اور یہ امر ہر منصف مزاج پر ظاہر ہے۔ دوسرا مقام ہے
 کہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کہنا واجب ہے کہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی اور
 اس پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ آیت خاص محاربہ مرتدین کے بارے میں ہے
 اور ابوبکر ہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے مرتدین سے محاربہ کی سربراہی کی جیسا کہ ہم
 تشریح کر چکے ہیں اور رسالتاً صلعم کو اس سے مراد لینا ممکن نہیں کیونکہ ان حضرت کو
 مرتدین سے جنگ کرنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اور نیز خدا فرماتا ہے کہ ہم عنقریب ایسی
 قوم کو لائیں گے کہ جو استقبال کے لئے ہے نہ حال کے لئے لہذا لازم ہوا کہ یہ قوم اس
 آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود نہ ہو اگر یہ کہا جائے کہ یہی ایراد قہر بھی ہوتا ہوا اسلئے
 کہ ابوبکر بھی تو وقت نزول آیت موجود تھے تو ہم اس کا جواب دو طرح سے دیں گے
 اول یہ کہ جن اہل ردہ سے ابوبکر نے جنگ کی وہ فی الحال موجود نہ تھے دوسرے یہ
 کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ خدا عنقریب ایسی قوم کو لائے گا جو قادر ہوگی اس جنگ پر اور
 ابوبکر اگر یہ موجود تھے مگر وہ اس وقت جنگ و غیرہ اور امر و نہی میں مستقل نہ تھے
 لہذا یہ اعتراض برطرف ہوا اور ثابت ہو گیا کہ اس آیت سے نہ تو رسالتاً صلعم ملو
 ہو سکتے ہیں نہ علی اسلئے کہ ان کو بھی اس کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہ اہل ردہ سے جنگ
 کرتے اور اگر تم یہ کہو کہ ہم اس کو نہیں مانتے اس لئے کہ ہر وہ شخص کہ جس نے آنحضرت
 سے امامت کے بارے میں نزاع کی وہ مرتد تھا تو ہم اسکو دو وجہ سے باطل کہیں گے

اول یہ کہ مرتد اس کو کہتے ہیں کہ جو فرائع اسلام میں سے کسی چیز کا تارک ہو اور جن لوگوں
 نے امیر المومنینؑ سے نزاع کی وہ بظاہر ایسے نہ تھے اور نہ کوئی یہ کہتا تھا کہ حضرت ان
 سے اس لئے لڑتے ہیں کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں اور خود علیؑ نے ان لوگوں
 کو مرتد کے نام سے یاد کیا لہذا جو کچھ یہ رواض کہتے ہیں وہ تمام مسلمین اور خود علیؑ پر ہتان
 کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر وہ شخص جس نے علیؑ سے امامت میں نزاع کی ہو مرتد ہوا تو
 لازم آتا ہے کہ ابوبکر اور ان کی قوم بھی مرتد ہوا اور اگر ایسا ہوتا تو بنشاذ ظاہر آیت لازم تھا کہ
 خدا ایک قوم کے ذریعے سے ان کو مغلوب کر کے دین صحیح کی طرف واپس کرتا اور جبکہ ایسا
 نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ علیؑ سے امامت میں نزاع کرنا ارتداد نہیں ہے اور جب وہ لوگ
 مرتد نہ ہوئے تو یہ آیت علیؑ کی شان میں نہیں کہی جاسکتی اس لئے کہ یہ تو اس کی شان
 میں نازل ہوئی ہے کہ جو مرتد لوگوں سے جنگ کرے تیرہ بھی کہنا ممکن نہیں کہ یہ اہل بین
 کی شان میں نازل ہوئی یا اہل فارس کی شان میں۔ اس لئے کہ ان لوگوں کو اہل
 روہ سے جنگ کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور اگر بغرض یہ بھی کہا جائے کہ ان لوگوں کا ہل
 رفتہ سے جنگ کا اتفاق ہوا تو وہ رعایا اور پیرو تھے اور سردار و حاکم اس واقعہ میں ابوبکر
 تھے اور ظاہر ہے کہ آیت کا ایسے شخص پر حمل کرنا کہ جو رئیس و حاکم اور اہل ہو اس عبادت
 میں ادنیٰ ہے بہ نسبت اسکے کہ رعایا اور پیروؤں پر حمل کی جائے پس ہماری بیان کی
 ہوئی دلیل سے ظاہر ہو گیا کہ یہ آیت ابوبکر کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری وجہ اس امر
 کے بیان میں ہے کہ یہ آیت ابوبکر کے لئے مخصوص ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ماننے لیتے ہیں
 کہ علیؑ نے مرتدوں سے جنگ کی لیکن ابوبکر نے جو مرتدوں سے جنگ کی وہ بہتر اور بلند
 پایہ ہے اسلام میں بہ نسبت اس جنگ کے جو علیؑ نے اپنی امامت میں مخالفت کرتے
 والوں سے کی اس لئے کہ بتواتر معلوم ہے کہ جب جناب رسالتؐ صلعم نے انتقال فرمایا
 تو تمام عربوں میں اضطراب و اغتشاش پیدا ہوا اور وہ سرکشی کرنے لگے تو ابوبکر نے

ہی ان کو مغلوب کیا اور سیدہ اور طلحہ کو بھی اور انھوں نے ہی ان ساتوں قبیلوں
 سے جنگ کی کہ جو مرتد ہو گئے تھے اور انھوں نے ہی ان لوگوں سے بھی جنگ کی
 کہ جنھوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دی تھی اور ان کے اسی فعل سے اسلام مستقر ہوا اور
 اس کی شوکت و عظمت و دولت میں وسعت ہوئی۔ اور جب علیؑ کو خلافت ملی تو شرق
 و غرب عالم میں اسلام پھیلا ہوا تھا تمام دنیا کے سلاطین مغلوب تھے اور اسلام تمام مذاہب
 عالم پر مستولی ہو چکا تھا پس ثابت ہوا کہ ابو بکرؓ کی جنگ علیؑ کی جنگ سے زیادہ مفید
 تھی حمایت و تقویت اسلام کے لئے اور ظاہر ہے کہ اس آیت سے مقصود اس قوم
 کی تعظیم ہے کہ جو نصرت و تقویت اسلام میں وسعت دین اور جب ابو بکرؓ کے ہاتھوں
 یہ امر انجام پایا تو وہی اس سے مقصود بھی ہو سکتے ہیں۔ تیسرا مقام اس آیت میں یہ ہے
 کہ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ابو بکرؓ کے لئے مخصوص ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند
 عالم نے اس آیت سے جن لوگوں کو مراد دیا ہے ان کے لئے چند صفات ذکر فرمائی ہیں
 پہلی صفت یہ ہے کہ خدا ان کو دوست رکھتا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ تو جب
 یہ امر ثابت ہو گیا کہ مراد اس آیت سے ابو بکرؓ ہیں تو یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ صفت بھی ابو بکرؓ
 کی ہے اور جس کی توصیف خدا نے اس طرح کی ہو اس کا ظالم ہونا ممنوع ہو گا اس سے
 معلوم ہوا کہ ابو بکرؓ اپنی امامت میں محقق تھے دوسری صفت یہ ہے کہ وہ مومنین کے
 ساتھ نرمی کرتے ہیں اور کافرن پر سختی کرتے ہیں تو یہ بھی ابو بکرؓ کی صفت ہوئی اس امر
 کی تاکید اس خبر مستفیض سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ روایت کیا گیا ہے کہ جناب اللہ
 صلعم نے فرمایا کہ ارحم امتی بامتی ابابکرؓ میری امت میں سب سے زیادہ میری امت
 پر رحم کرنے والا ابو بکرؓ ہے) تو ابو بکرؓ میں یہ صفت پائی جاتی تھی کہ وہ مومنین پر رحمت
 و شفقت کرتے تھے اور کفار کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تھے کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ابتدا
 میں جب رسول مکرمؐ میں تھے اور نہایت کمزور تھے تو ابو بکرؓ کو کران کی حمایت کرتے تھے

ہر وقت ساتھ رہتے تھے خدمت کرتے تھے اور کسی ایک کی بھی بڑے بڑے کفار میں
 سے پراوہ نہیں کرتے تھے اور آخر میں یعنی خلافت کے وقت میں بھی کسی کی بات
 نہ سنی اور اسی پر مصر رہے کہ مانعین زکوٰۃ سے محارب ضروری ہے یہاں تک کہ نوبت یہ
 پہونچی کہ تن تنہا اس مہم کے لئے نکل کھڑے ہوئے آخر میں بڑے بڑے صحابیوں نے آکر
 بڑی خوشامد و منت سے روکا جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ نے لشکر بھیجا ہے تو
 بھاگ گئے اور خدا نے یہی دولت اسلام کی ابتداء قرار دی۔ لہذا خدا کا قول اذلة
 على المؤمنين واعزة على الكافرين سوائے ان کے اور کسی کے لائق نہیں تیسری
 صفت یہ ہے کہ يجاهدون في سبيل الله ولا يخافون لومة لائم یعنی وہ لوگ
 خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے نہیں ہیں
 یہ صفت ابوبکر اور علیؓ میں مشترک ہے لیکن ابوبکر کا حصہ اس میں بھی اتم و اکمل ہر
 اس لئے کہ ان کا مجاہدہ کفار سے اول بعثت میں تھا جبکہ اسلام بہت ضعیف
 تھا تو وہ اپنی قدرت بھر لڑتے تھے اور رسولؐ کی حمایت کرتے تھے۔ لیکن علیؓ نے
 جہاد بدر و احد کے وقت سے شروع کیا جبکہ اسلام قوی ہو چکا تھا اور لشکر جمع
 ہو چکے تھے پس ابوبکر کا جہاد علیؓ کے جہاد سے زیادہ اکمل تھا دو وجہوں سے ایک
 تو یہ کہ ابوبکر کو تقدم زمانی حاصل تھا لہذا الفضل تھے کیونکہ خدا فرمایا ہے لا يستوی
 منکم من انفق قبل الفتح وقاتل یعنی تم سے وہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے جنہوں
 نے قبل فتح صرف کیا اور قتال کیا۔ دوسری یہ کہ ابوبکر کا جہاد رسولؐ کے ضعف
 کے وقت تھا اور علیؓ کا قوت کے وقت۔ چوتھی صفت ہے ذلک فضل الله
 یؤتیه من یشاء یہ بھی ابوبکر کے لائق ہے اس لئے کہ خدا نے دو سہ مقام پر بھی
 اس کی تاکید اپنے اس قول سے فرمائی ہے کہ وللمقاتل اولوا الفضل منکم
 والسعة اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کا ابوبکر کی شان میں ہونا ضروری ہے

اور اس امر کی دلیل کہ یہ صفات سب ابو بکر کے ہیں یہ ہے کہ ہم نے دلیل سے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں ہے اور جب ایسا ہے تو یہ کل صفات بھی انھیں کے ہوئے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ان کی امامت کا صحیح ماننا واجب ہو گیا اس لئے کہ اگر ان کی امامت باطل ہوتی تو یہ صفات ان کے لائق نہ ہوتے اور اگر یہ کہا جائے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ الہی کجیات رسول میں ان صفات سے متصف تھے لیکن جب سے رسول کی وفات ہوئی اور ان کی امامت شروع ہوئی تو یہ صفات ان کے برفہ اور باطل ہو گئے تو ہم کہیں گے کہ یہ قطعاً باطل ہے اس لئے کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم عنقریب ایسی قوم کو لائیں گے کہ جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں تو خدا نے ثابت کیا کہ جب خدا ان کو لائے گا تو وہ اس صفت سے متصف ہوں گے زمانہ مستقبل میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا شہادت دیتا ہے اس امر کی کہ ابو بکر اس صفت سے موصوف تھے جب انھوں نے اہل ردہ سے جنگ کی اور یہ وقت ان کی امامت کا تھا، اے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ابو بکر کی امامت کی صحت پر دلالت کرتی ہو لیکن روافض کا یہ کہنا کہ یہ آیت حق علیٰ میں نازل ہوئی ہے اس دلیل سے کہ یہاں کتاب معلوم نے روزخیر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا کہ جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہو اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور وہ علیؑ تھے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ خبر احادیث سے ہے اور ان کے نزدیک خبر احاد سے علم میں تمسک نہیں جائز ہے یہ جائیکہ عمل میں و نیز اس صفت کو علیؑ میں ثابت کر دینے سے یہ نہیں لازم آتا کہ ابو بکر میں نہ ہو اور بفرض اگر ان میں سے ایسا ہے تو لازم پڑے گا کہ وہ تمام اوصاف جو کہ حدیث خیر میں ہیں سب کے سب من حیث المجموع ابو بکر میں نہ ہوں جن کے منجملہ ایک صفت کرار غیر فرار بھی ہے اور جب یہ صفت ابو بکر میں نہ ہے تو پھر مجموعہ صفات حاصل نہیں بلکہ بعض ہوئے و نیز خدا نے اس صفت کو اس شخص کے لئے رکھا جس کا ذکر آیت میں